ابھی کچھ دن لگیں گے
فرحت اشتیاق

ابھی کچھ دن لگیں گے

فرحت اشتیاق

ابھی کچھ دن لگیں گے

مہندی لگے گی تیرے ہاتھ

ڈھولک بجے گی ساری رات

جا کے تم ساجن کے ساتھ

بھول نہ جانا یہ دن رات

حدیقہ کی خوب صورت آواز لان میں پورے زور و شور سے گونج رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے قاسم بھائی اور اپنے کزنز کو ملازمین کے ساتھ مل کر فنکشن کے بعد کا پھیلاوا سمیٹتے دیکھ رہی تھی۔

کھڑکی کھلی چھوڑ کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ کھڑکی کے راستے اندر آتی ٹھنڈی ہوا اور موسیقی اس کے خوشگوار موڈ کو مزید خوشگوار بنا رہے تھے۔ رسٹ کلر کا بہت خوبصورت اور نفیس کام سے آراستہ لہنگا، قمیص اور دوپٹہ پہنا ہوا تھا اس نے۔ ماہر بیوٹیشن کے ہاتھوں سلیقہ سے کیے گئے میک اپ اور کپڑوں سے مناسبت رکھتی جیولری نے اس کے حسین روپ کو چار چاند لگا دیے تھے۔ دوپٹہ کی پنیں نکالتے ہوئے وہ کتنی ہی دیر کھڑی اپنے عکس کو محویت سے تکتی رہی تھی۔ خود کو اس روپ میں ایک من چاہے شخص کے حوالے سے دیکھنا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

ابھی وہ پتا نہیں مزید کتنی دیر یونہی کھڑی رہتی کہ اچانک فون کی بیل نے زور و شور سے بج کر اس کی محویت کو توڑ ڈالا تھا۔ دوسری طرف سے آتی رباب کی آواز سن کر وہ بے ساختہ ہنستے ہوئے بولی۔

"کیا حیدر آباد میں ٹیلیفون کا بل نہیں آتا؟"

"اڑالو مذاق میری محبت کا۔ خود سے تو یہ ہوا نہیں کہ سب سے کہہ دیتیں "ابھی میری پیاری رباب کے امتحان چل رہے ہیں، منگنی کی تاریخ ذرا آگے بڑھا دیں۔ ہاں اب میری اوقات ہی کیا ہے، اب وہ دانیال عابد صاحب جو تشریف لے آئے ہیں محترمہ کی زندگی میں۔" وہ لڑاکا عورتوں کی طرح طعنے دیتے ہوئے بولی۔

وہ اس کے انداز پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ جب سے اس کی منگنی کی تاریخ طے ہوئی تھی۔ رباب نے کراچی اتنے فون کھڑکائے تھے کہ اسے یقین تھا کہ اس مہینے فون کا بل دیکھ کر انکل رباب کا قیمہ بنا دیں گے۔

"تمہارا پیپر کیسا ہوا؟" اپنی ہنسی کو بریک لگاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"پیپر بس اچھا ہی ہوا۔ سارا وقت تو میرا دھیان تمہاری طرف ہی لگا رہا۔ سوچ سوچ کر غصہ آتا رہا کہ تمہاری زندگی کے اتنے اہم موقع پر میں تمہارے پاس نہیں۔ اچھا اب جلدی سے بتاؤ، تم کیسی لگ رہی تھیں۔ پورا نقشہ اس طرح کھینچو کہ رسٹ کلر کے لہنگے اور قمیص میں دلہن بنی اذما مجھے اپنے سامنے نظر آنے لگے" وہ بے تابی سے بولی تھی۔ وہ رباب کے حسب فرمائش اپنی ڈریسنگ اور میک اپ وغیرہ کے بارے میں بتانے کے بعد اب فنکشن کے چیدہ چیدہ واقعات سنا رہی تھی۔

"اور دانیال کیسا لگ رہا تھا؟" رباب کے پوچھنے پر وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"وہ تو ہمیشہ ہی اچھا لگتا ہے۔"

"اچھا یہ بات ہے۔ ویسے یاد کرو کچھ عرصہ پہلے اسی ہمیشہ اچھا لگنے والے کے بارے میں آپ کیا کمنٹس دیا کرتی تھی۔" رباب نے شوخ سی ہنسی ہنستے ہوئے اسے چھیڑا۔ وہ بغیر برا مانے ہنس پڑی۔

"خوش ہو اذما؟" رباب نے ایک دم سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں بہت۔ ایسا میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ میری سیدھی سادھی زندگی میں کبھی کوئی ایسا موڑ بھی آئے گا۔ یہ سب تو میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا، مجھے لگتا تھا کہ ہمارے ہاں کی اکثر لڑکیوں کی طرح ایک

روز میں بھی کسی انجان آدمی کے ساتھ رخصت ہو جاؤں گی اور پھر وہ جیسا بھی ہوگا، اسی سے محبت بھی کرنے لگوں گی، مگر اب جو سب ہوا، وہ بہت خوشگوار ہے۔ سچ رباب! یہ سب بڑا خوش کن ہے بہت دل فریب۔ اگر محبت یہی ہے تو واقعی بہت خوب صورت ہے۔"

ساری دنیا میں ایک ہی وہ لڑکی تھی رباب سلیم جس سے اذما مقصود کبھی بھی اپنی کوئی بات چھپا نہیں سکتی تھی۔ وہ بڑی محتاط اور کم گو سی لڑکی تھی۔ خود کو دوسروں سے چھپا کر رکھنے والی، اپنے جذبات کو سینت سینت کر رکھنے والی۔ مگر رباب کے لیے وہ ہمیشہ کھلی کتاب کی مانند رہی تھی۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے اپنی کوئی بھی بات کبھی بھی نہیں چھپاتی تھیں۔

****

اسے یاد نہیں کہ اس نے زندگی میں پہلی بار رباب کا نام کب سنا تھا، ہوش سنبھالنے کے بعد جس طرح اس نے اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں کو اپنے قریب پایا تھا بالکل اسی طرح رباب کو بھی۔ دونوں کے گھر برابر برابر تھے۔ دونوں گھرانوں میں بہت دوستی اور اپنائیت تھی۔ ڈھائی سال کی عمر میں دونوں کا ایک ہی اسکول میں داخلہ کروایا گیا تھا۔ امی بتاتی تھیں کہ پہلے دن وہ اسکول جا کر صرف اتنی سی بات پر گلا پھاڑ پھاڑ کر روئی تھی کہ ٹیچر نے اسے رباب کے برابر میں نہیں بٹھایا تھا، پھر جو اس کے رونے سے گھبرا کر ٹیچر نے اسے رباب کے برابر بٹھایا تو وہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا ہوئی ہی نہیں، اسکول میں ساتھ، گھر میں ساتھ۔ وہ ساتھ پڑھتیں، ساتھ کھیلتیں۔ رباب کے ہوتے اس نے کبھی کوئی دوست بنانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ حالانکہ ان دونوں کی دوستی اکثر لوگوں کو حیران کرنے کا باعث بنا کرتی تھی۔ وہ جتنی سنجیدہ اور کم گو تھی، رباب اتنی ہی شوخ و حاضر جواب اور بولڈ۔

اسکول کے دنوں میں جب کوئی کلاس فیلو اس سے جھگڑتا اور وہ بجائے لڑنے کے رونا شروع کر دیتی تو اچانک

ہی رباب اس کی مدد کو وہاں پہنچ جایا کرتی اور پھر مقابل کو اپنی زبان کے وہ کرشمے دکھاتی کہ بے چارہ یا بے چاری چپ چاپ بھاگ جانے میں ہی عافیت محسوس کرتا۔

رباب اسکول کی سب سے جینئس اور غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک لڑکی کے طور پر پہچانی جاتی تھی۔وہ ہر میدان میں سب سے آگے ہوتی تھی۔اسے پسند کرنے والوں کی تو ایک طویل فہرست تھی مگر جو لوگ اس کی ذہانت اور حاضر جوابی کے سبب اس سے چڑا کرتے تھے، وہ بھی دل ہی دل میں اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنے پر خود کو مجبور پاتے تھے۔

وہ اذما سے بے حد محبت کرتی تھی اور اس کا مظاہرہ بھی کرتی رہتی تھی۔

وہ دونوں سیکنڈ گریڈ میں تھیں تب ایک مرتبہ کسی کلاس ٹیسٹ میں اذما میتھس میں فیل ہو گئی تھی اور تب اسے بری طرح روتا دیکھ کر رباب میتھس کی ٹیچر کے پاس پہنچ گئی تھی۔

"آپ میرے نمبر اذما کو دے دیں اور اس کے مجھے۔"

ٹیچر اس چھ سات سال کی چھوٹی سی بچی کی اس انوکھی خواہش پر ہنسنے کے ساتھ حیران بھی ہوئی تھیں، ان کے لاکھ سمجھانے پر بھی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"میرے مارکس ہیں۔میں اپنی خوشی سے اذما کو دے رہی ہوں۔" وہ ٹیچر کے انکار پر سخت برہم ہوئی تھی۔

کالج جا کر بھی ان دونوں کا یہی انداز برقرار رہا تھا۔وہی ایک دوسرے کے لیے دیوانگی، وہی رباب کا اعتماد اور بہادری اور وہی اذما کا اس کا انگلی تھام کر چلنا۔وہ رباب کی طرح حاضر جواب اور بولڈ نہیں تھی لیکن اس کے اندر خلوص اور مروت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔رباب اکثر اس کے خلوص کے مظاہروں سے چڑ جایا کرتی تھی۔

انٹر کے بعد جب یونیورسٹی میں ایڈمیشن کا وقت آیا تو اچانک ہی سلیم انکل کی حیدرآباد پوسٹنگ ہو گئی تھی۔وہ

رباب کے جانے کا سن کر بہت روئی تھی۔پھر وہ مجبوراً حیدرآباد چلی گئی تھی۔

"میں کون سا بہت دور جا رہی ہوں۔ہم ہر ہفتہ ملا کریں گے۔میں ہر ویک اینڈ پر تم سے ملنے آیا کروں گی۔" اس نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

انکل نے گھر کرائے پر دے دیا تھا۔وہ اکثر اداسی سے ان کے گھر کے لان، ٹیرس اور رباب کے کمرے کی بند کھڑکیوں کو دیکھا کرتی تھی۔رباب کا ہر ہفتہ والا وعدہ تو ظاہر ہے پورا ہونا مشکل تھا۔ہاں پابندی سے فون وہ اسے ضرور کیا کرتی تھی۔روزرات میں وہ دونوں کم از کم ایک گھنٹہ ضرور چیٹنگ ضرور کیا کرتی تھیں۔ایک دوسرے کو دن بھر کے تمام قصے جب تک سنا نہیں لیے جاتے، انہیں قرار نہیں آتا تھا۔

رباب نے مہران انجینئرنگ یونیورسٹی میں سول انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ میں داخلہ لے لیا تھا جبکہ اذما نے این ای ڈی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ڈیپارٹمنٹ اس کا بھی سول ہی تھا۔

کچھ عرصہ تو وہ بہت ہی بیزار اور الجھی ہوئی رہی مگر یہ بیزاری اور الجھن بوکھلاہٹ اور پریشانی میں اس وقت ڈھل گئی جب ان کی کلاس کو

Surveying

(سروے) کا پہلا اسائنمنٹ ملا۔اسائنمنٹ گروپ میں کرنا تھا۔لڑکیوں اور لڑکوں نے جلدی جلدی چار چار پانچ پانچ اسٹوڈنٹس پر مشتمل گروپس بنا لیے تھے۔

کلاس میں اس کی برابر والی چیئرز پر فوزیہ اور مزنا بیٹھا کرتی تھیں۔اس کی باقی سب لڑکیوں کی طرح فوزیہ اور مزنا سے بھی بس ہائے ہیلو ہی تھی مگر اب جو یہ اسائنمنٹ والا مسئلہ سامنے آیا تو وہ بے اختیار ان

دونوں سے اپنا یہ پرابلم ڈسکس کرنے لگی۔

"تم ہمارے گروپ میں آجاؤ۔" ان دونوں نے یک زبان ہو کر بڑے کھلے دل سے پیشکش کی تھی۔ حالانکہ گنجائش کے لحاظ سے ان کا گروپ مکمل تھا۔ فوزیہ، مزنا، وقار، منیب، سیف اور وسیم، ایسے میں یہ ان دونوں کی فراخ دلی ہی تھی کہ وہ اسے بھی اپنے گروپ میں شامل کر رہی تھیں۔

"تم وقار وغیرہ سے پوچھ لو۔ ہو سکتا ہے وہ میرے شامل ہونے پر اعتراض کریں۔" ان کی آفر پر خوش ہوتے ہوئے اس نے گروپ میں شامل لڑکوں کی رضامندی بھی ضروری سمجھی تھی اور پھر صرف فوزیہ اور مزنا ہی نہیں وقار، منیب، سیف اور وسیم نے بھی اسے اپنے گروپ میں خوش دلی سے خوش آمدید کہا تھا۔

فوزیہ، مزنا اور وقار اسکول کے دوست تھے جبکہ باقی سب سے یونیورسٹی میں آکر دوستی ہوئی تھی۔ وہ ان کے گروپ کی سب سے کم گو، مخلص اور اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی تھی۔ کسی بھی اسائنمنٹ یا پروجیکٹ میں جو کام اس کے سپرد کیا جاتا، وہ پوری محنت اور لگن سے اسے انجام دیا کرتی تھی۔ گروپ اسائنمنٹس کے علاوہ انفرادی اسائنمنٹس وغیرہ میں بھی وہ لوگ گروپ سے وفاداری نبھایا کرتے تھے۔

دانیال عابد ان کی کلاس کا سب سے بریلیئنٹ اسٹوڈنٹ تھا۔ وہ اور اس کے دونوں دوست ارقم فیروز اور سجاد جعفری ڈیپارٹمنٹ کی کریم سمجھے جاتے تھے۔ پہلے دن جب تمام اسٹوڈنٹس نے اپنا اپنا تعارف کروایا تھا تو اسے دانیال عابد کا مغرور انداز میں اپنا تعارف کروانے کا اسٹائل کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔

اس کی دولت، اس کی ذہانت یقیناً لوگوں کے لیے بڑی متاثر کن چیزیں تھیں۔ مگر تمام پروفیسرز یہاں تک کہ چیئرمین تک اسے جتنی غیر معمولی اہمیت دیا کرتے تھے اس کا سبب وہ خود نہیں بلکہ اس کے والد کی کنسلٹنگ فرم تھی۔ پچیس سال پہلے اس کے والد نے جو انجینئرنگ فرم اسٹیبلش کی تھی، وہ آج پاکستان کی صف اول کی فرمز میں شمار کی جاتی تھی۔ بے شمار اچھے اور بڑے بڑے پروجیکٹس ان کی فرم کے کریڈٹ پر تھے، فلائی اوورز، بلڈنگز، بریجز۔ انڈسٹریز، ہوٹلز وغیرہ۔ کراچی کے علاوہ اسلام آباد، لاہور اور کوئٹہ میں بھی ان

کی فرم کی برانچز تھیں۔ ڈین اور وی سی اس کے والد کے ذاتی دوستوں میں سے تھے، ایسے میں اگر ڈیپارٹمنٹ میں وہ مشہور نہ ہوتا تو کون ہوتا۔

ازما کو اس کا یہ انداز پسند نہیں تھا۔ "ٹھیک ہے اگر تمہارے ابا کوئی اونچی چیز ہیں تو اس پر تم کس خوشی میں اترا رہے ہو، اتراؤ اس چیز پر جو تم نے ذاتی محنت اور کوشش سے حاصل کی ہو اور پھر باقی بھی یہاں کوئی ٹٹ پونجیے نہیں پڑھ رہے۔"

خود اس کے بابا ایک ملٹی نیشنل میں شاندار پوسٹ پر کام کر رہے تھے۔ فوزیہ، مزنا بھی اچھے پڑھے لکھے، متمول گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ اب یہ اتفاق ہی تھا کہ ان میں سے کسی کے ابا کی ذاتی انجینئرنگ فرم نہ تھی ورنہ وہ لوگ بھی ابا کی فرم کے حوالے سے سول انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ میں خوب اترالیا کرتیں۔

تھرڈ ائیر تک آتے آتے دانیال عابد ایک ایسی شخصیت بن چکا تھا جسے یونیورسٹی کے تقریباً تمام اسٹوڈنٹس اگر شکلاً نہیں تو نام سے ضرور جانا ہی کرتے تھے۔ لڑکیوں میں اس کی مقبولیت کا سبب اس کی شاندار پرسنیلٹی بھی تھی۔

ارقم اور سجاد کے علاوہ اس کی کسی اور سے کوئی خاص دوستی نہیں تھی۔ وہ تینوں بچپن کے دوست تھے اور اپنے گروپ میں کسی چوتھے فرد کا داخلہ انہوں نے ممنوع قرار دے رکھا تھا۔

اکثر لیکچر کے دوران وہ فائل بند کیے، پین کا کیپ لگائے بیزاری سے پروفیسر کی شکلیں دیکھتا رہتا تھا یوں

جیسے یہ سب جو آپ پڑھا رہے ہیں میں پہلے سے جانتا ہوں۔ براہ مہربانی کچھ نئی بات بتائیں۔ ازما نے نوٹ کیا تھا کہ بعض پروفیسرز اس کے اس اسٹائل سے سخت خار بھی کھاتے تھے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر خون کے گھونٹ پی لیتے کہ اس کا خاموش رہنا بولنے سے زیادہ بہتر ہے۔ جب وہ بولنے پر آتا تو جان بوجھ کر ایسے ایسے سوالات نکال لاتا کہ پروفیسر بے چارے زچ ہو جایا کرتے۔

تھرڈ ائیر کی پڑھائی زور و شور سے جاری تھی۔ ایسے میں ڈاکٹر اشفاق نے

Sessionalmarks

کے لیے ان لوگوں کو اسائنمنٹس دیے، پوری کلاس کو ایک ہی جیسا کام دینے کے بجائے انہوں نے سب کے لیے الگ الگ ٹاپکس منتخب کیے تھے۔

اگر بات یہیں تک ہوتی تو غنیمت تھا مگر ان جیسے ظالم اور خطرناک پروفیسر سے بھلائی کی امید کی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ سب کو الگ الگ اسائنمنٹس دیے بلکہ تمام اسٹوڈنٹس کے گروپس بھی خود ہی بنا ڈالے۔ اس روز اپنا لیکچر ختم کرتے ہوئے انہوں نے بڑے ہی سرسری انداز میں یہ اطلاع دے کر کہا۔ "سب کے گروپس اور ان کے اسائنمنٹس کے موضوعات نوٹس بورڈ پر لگوا دیے گئے ہیں۔ کسی کو اس سلسلے میں مزید کچھ پوچھنا ہو تو بلا جھجک ان کے آفس میں تشریف لائے۔" اس اطلاع نے سب کے اوسان خطا کر دیے تھے۔

اپنے گروپ ممبران کے ساتھ کھڑی وہ بھی اپنا رول نمبر اور اسائنمنٹ کی تفصیلات پڑھتے ہوئے کچھ چپ سی کھڑی تھی۔ اس کے رول نمبر کے برابر میں لکھا رول نمبر کس کا ہے، یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

پتا نہیں ڈاکٹر اشفاق نے گروپس بناتے وقت کیا معیار اور کیا چیز ذہن میں رکھی تھی۔ بہرحال گروپس انہوں نے سب ہی کے ایسے بنائے تھے کہ خوش کوئی بھی

نہیں تھا۔

"کیسے کرو گی تم اس اکڑو کے ساتھ کام۔ کسی سے سیدھے منہ بات تک تو کرتا نہیں ہے یہ بندہ۔" فوزیہ نے

اپنے غم سے فارغ ہو کر ازما کی طرف رخ کیا جو دانیال کے ساتھ گروپ بننے پر بالکل بھی خوش نہیں تھی۔

کامن روم میں فوزیہ اور مزنا کے ساتھ بیٹھ کر خوب مرچ مسالوں والی چٹ پٹی سی چاٹ کھاتے ہوئے بھی اس کا ذہن اس نئے مسئلے ہی میں الجھا ہوا تھا۔ باقی کلاس فیلوز سے تو اس کی پھر بھی تھوڑی بہت بات چیت ہو ہی جایا کرتی تھی مگر دانیال ارقم اور سجاد سے تو کبھی رسمی سی ہائے ہیلو بھی نہیں ہوئی تھی۔ زیادہ بے تکلفی تو اس کی صرف اپنے گروپ کے لوگوں ہی سے تھی مگر اس کے علاوہ بھی کبھی کوئی کلاس فیلو اگر اس کی لیکچر نوٹ بک مانگنے آ جاتا تو وہ کبھی انکار نہیں کرتی تھی۔

کلاس میں سب سے صاف ستھرے اور ہر طرح سے مکمل لیکچرز اس کے ہی ہوا کرتے تھے، خاص طور پر امتحانوں کے دنوں میں اس کے لیکچرز کی مانگ بہت بڑھ جایا کرتی تھی۔ اس کی نوٹ بک میں موجود صاف ستھری لکھائی اور باقاعدہ پنسل، اسکیل وغیرہ کی مدد سے بنائی گئی ڈائیگرامز ایسا لگتا تھا باقی سب کو ٹیچرز لیکچر ڈکٹیٹ کرواتے ہیں اور اسے الگ سے بلیک بورڈ پر لکھ کر دیتے ہیں۔ تب ہی وہ اتنی صفائی ستھرائی سے اتار لیتی ہے۔ اسی لیے اس کے لیکچرز کی خوب مانگ بڑھ جایا کرتی تھی۔

فوٹو اسٹیٹ شاپ پر جا کر اس کی پوری پوری نوٹ بکس فوٹو کاپی کروائی جاتیں اور وہ مزنا اور وقار کے لاکھ سمجھانے اور برا ماننے کے باوجود کبھی اپنی اس عادت سے باز نہیں آتی تھی۔ ایسے میں اگر اس کا کلاس کے کسی بھی اسٹوڈنٹ کے ساتھ گروپ بن جاتا تو اسے ہرگز کسی الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ روپیٹ کر اور ڈاکٹر اشفاق کو غائبانہ بہت کچھ کہنے سننے کے بعد سب ہی سنجیدگی سے اسائنمنٹ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

دو دن تو وہ اس انتظار میں رہی کہ دانیال خود اس کے پاس آ کر اسائنمنٹ کے بارے میں بات کرے گا۔ مگر جب ایسا کچھ نہ ہوا تو تیسرے روز وہ خود ہی اس کے پاس چلی آئی۔ اتنے مشکل کاموں کے لیے ڈاکٹر اشفاق نے ٹائم بھی بہت کم دیا تھا۔ اس لیے سب ہی غیر سنجیدگی کا چولا اتار کر کام میں مگن ہو گئے تھے اور وہ

باقی سب کی پھرتی اور تیزی کو دیکھتے ہوئے مزید ڈر گئی تھی۔

"ہمارا تو ابھی کام شروع بھی نہیں ہوا اور سب لوگ کتنا تیز تیز کام نمٹا رہے ہیں۔" وہ خود سے کہتی اکنامکس کا پیریڈ ختم ہوتے ہی دانیال وغیرہ کے پاس آگئی تھی۔

دانیال اور سجاد بے فکری سے ٹانگیں پھیلائے بیٹھے تھے جبکہ ارقم سامنے کھڑا ہوا تھا۔ باتوں میں مشغول ہونے کے باوجود انہوں نے اس کا اپنی طرف آنا محسوس کر لیا تھا۔ وہ ان کے پاس آکر رکی تو تینوں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"مجھے آپ سے

RCC

کے اسائنمنٹ کے بارے میں بات کرنی تھی۔" تمہید باندھنے میں وقت ضائع کرنے کے بجائے وہ فوراً ہی کام کی بات بولی تھی۔

"جی کہیے۔" اگرچہ لہجہ بہت مہذب سا تھا مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں وہ چڑ سی گئی تھی۔

"میں نے اس پر تھوڑا سا کام کیا ہے۔ میرا خیال ہے، ہم مل کر ان پوائنٹس کو ڈسکس کر لیں پھر ڈاکٹر اشفاق کے پاس جا کر کچھ گائیڈنس لی جا سکے گی۔"

وہ اس کے بے نیاز انداز پر اپنا غصہ دباتے ہوئے سنجیدگی سے بولی تھی۔

"آج تو میں بہت بزی ہوں، کل دوسرا اور تیسرا پیریڈ فری ہے آپ لائبریری میں آجائیے گا وہیں ڈسکس کر لیں گے۔" وہ بھی جواباً سنجیدگی سے بولا تو وہ گردن ہلاتی وہاں سے آگئی۔

مزنا اور فوزیہ اس کے انتظار میں رکی ہوئی تھیں۔

"منسٹر لگا ہوا ہے ناں۔ ہونہہ بزی ہوں۔ پڑھنے کے لیے وقت نہیں ہے۔" مزنا نے اس کی زبانی ساری بات سن کر جل کر کہا تھا۔

اگلے روز پہلا پیریڈ اٹینڈ کرنے کے بعد وہ سیدھی لائبریری آگئی تھی۔ دانیال، ارقم اور سجاد کلاس میں نظر نہیں آئے تھے۔ ہو سکتا ہے کسی وجہ سے وہ لوگ یونیورسٹی لیٹ آئے ہوں یا شاید پیریڈ بنک کیا ہو، وہ اس کے ساتھ ڈسکس کرنے والے پوائنٹس پر غور کرتی سوچ رہی تھی۔ مگر وہاں دوسرا تو کیا تیسرے پیریڈ کا بھی وقت شروع ہو کر ختم ہو گیا تھا مگر وہ آتا نظر نہیں آیا۔ وہ چپ چاپ گھڑی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ شروع ہی کی میز اس نے منتخب کی تھی تاکہ وہ فوراً ہی نظر آجائے مگر وہ آتا تب ناں۔

تیسرے پیریڈ کا ٹائم بھی ختم ہو گیا تو وہ فائل اور اپنا والٹ لے کر اٹھ گئی۔ اپنا بیگ ریک میں سے واپس نکلواتے اس کا غصے سے برا حال تھا، یہ غصہ اور بے تحاشا ہتک کا احساس مزید اس وقت بڑھا جب ڈیپارٹمنٹ میں سامنے ہی اسے دانیال، سجاد اور ارقم فائنل ایر کے دو تین لڑکوں کے ساتھ کوریڈور میں کھڑے نظر آئے۔ وہ جو ایک دل میں خیال سا تھا کہ شاید آج وہ کسی وجہ سے یونیورسٹی نہیں آیا، غلط ثابت ہو چکا تھا۔ وہ نہ صرف یونیورسٹی میں موجود تھا بلکہ اتنا فارغ بھی کہ کوریڈور میں کھڑا ہو کر باتیں کر سکے۔ اسے ان لوگوں نے دیکھا تھا یا نہیں بہر حال وہ بجائے کلاس کی طرف جانے کے تیزی سے واپس مڑ گئی تھی۔

اس کے اٹھتے قدموں کا رخ ڈاکٹر اشفاق کے آفس کی طرف تھا، اگرچہ ان سے ایسی کوئی بات کرنا بڑا مشکل کام تھا مگر وہ اب مزید اپنی بے عزتی کروانے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"ڈاکٹر صاحب ابھی نہیں آئے۔" پیون کے جواب نے مزید موڈ خراب کر دیا۔ وہ بجائے کلاس میں جانے

کے کامن روم میں جا کر بیٹھ گئی۔

پندرہ منٹ کے بعد اس نے دوبارہ چکر لگایا اور پیون سے ان کی آمد کی اطلاع پاتے ہی بے دھڑک اندر داخل ہو گئی۔ اپنی وسیع و عریض میز پر بیٹھے وہ کچھ لوگوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔ ان کے سامنے کون لوگ بیٹھے ہیں اور کیا کر رہے ہیں پر دھیان دیے بغیر وہ انہیں سلام کرتی ہوئی جلدی سے بولی تھی۔

"سر! مجھے اپنا گروپ چینج کروانا ہے۔" اگر وہ بولنے میں ذرا بھی دیر کرتی تو کبھی بھی ان سے بات نہ کر پاتی ،ان کی سخت آنکھیں اور بے لچک لہجہ اچھے اچھوں کا پتا پانی کر دیا کرتا تھا۔ ڈانٹتے وقت وہ کبھی بھی اس بات پر غور نہیں کیا کرتے تھے کہ سامنے کھڑا اسٹوڈنٹ لڑکا ہے یا لڑکی۔

"گروپ کسی کا بھی چینج نہیں ہو گا۔ یہ بات میں پہلے ہی کلیئر کر چکا ہوں۔" حسب توقع انہوں نے سخت نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

مگر وہ ان کی بات اور لہجے پر ڈھنگ سے غور نہیں کر پائی۔ اس کی نظریں ان کی میز کے سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھے دانیال، ارقم اور سجاد پر پڑ چکی تھیں۔ اپنے آپ پر شدید قسم کا غصہ آیا یوں بے دھڑک گھسنے کے بجائے اگر وہ پہلے وہاں بیٹھے لوگوں کا جائزہ لے لیتی تو اس سچویشن سے تو نہ گزرنا پڑتا۔ ارقم اور سجاد اس کی طرف متوجہ تھے جبکہ دانیال ہنوز ڈاکٹر اشفاق ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ویسے پرابلم کیا ہے۔ کس کے ساتھ بنا ہے آپ کا گروپ؟" اس کی شکل پر شاید بہت ہی زیادہ مظلومیت ٹپک رہی تھی تب ہی وہ خلاف عادت نرم انداز میں پوچھ بیٹھے تھے۔

اب وہ اس کے سامنے کیا بولے۔ اس نے اپنی ہتھیلیوں پر نمی اترتی محسوس کی۔ کیا وہ ننھے بچوں کی طرح اس کی شکایت کرے۔ "سر! یہ میرے ساتھ کام نہیں کرتا۔" مگر اب فرار ممکن نہ تھا۔ اگر وہ اندر آ کر انہیں بیٹھا دیکھ

لیتی تو شاید کچھ بات بنا دیتی مگر اب کیا بات بتائے اور کیا کہے۔ کسی پر کتنا ہی شدید غصہ کیوں نہ ہو، وہ کبھی اس کے منہ پر اسے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ مگر اب صورت حال ایسی تھی کہ اسے بولنا ہی تھا۔ ڈاکٹر اشفاق مسلسل جواب طلب نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"سر! میرا گروپ دانیال عابد کے ساتھ بنا ہے اور میرا خیال ہے، یہ میرے ساتھ کام کرنا نہیں چاہتے۔ اس لیے آپ میرا گروپ اور ٹاپک چینج کر دیں، میں اکیلے اپنا اسائنمنٹ مکمل کر لوں گی۔" وہ دانیال پر نظریں ڈالے بغیر ڈاکٹر اشفاق سے بولی۔ اس بات پر دانیال نے اپنا لاپروا انداز ترک کر کے ایک دم بہت غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں دانیال۔" ڈاکٹر اشفاق نے دانیال کو سخت نگاہوں سے دیکھا۔ اپنے فیورٹ اور موسٹ ٹیلنٹڈ اسٹوڈنٹ کی یہ غیر ذمہ دارانہ حرکت انہیں ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔

اذما سے کل اس کی کیا بات طے ہوئی تھی، یہ وہ آج واقعی بھول چکا تھا۔ چونکہ ارقم اور سجاد کو بھی اس بارے میں کچھ نہیں پتا تھا، اس لیے وہ بھی اسے یاد دہانی نہیں کروا پائے تھے۔ ابھی جب وہ اندر گھسی تو اس کی شکل دیکھ کر دانیال کو اپنا کل کا وعدہ یاد آیا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے سر۔" وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر ڈاکٹر اشفاق کی طرف متوجہ ہوا۔ انہوں نے ایک گہری نگاہ دانیال پر اور پھر اذما پر ڈالی۔ یوں جیسے اس جھگڑے کا سبب جاننا چاہ رہے ہوں۔

"بیٹھیں آپ۔" انہوں نے اسے کرسی آفر کی۔ وہ خاموشی سے سجاد کے برابر رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اب بتایئے، پرابلم کیا ہے۔" انہوں نے اذما کو بغور دیکھا۔

"کوئی پرابلم نہیں ہے سر! بس مجھے اپنا گروپ بدلوانا ہے۔" وہ سر جھکائے آہستگی سے بولی۔

"گروپ تو کسی کا بھی کسی قیمت پر نہیں بدلا جائے گا، ہاں اگر آپس میں کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے تو آپ لوگ اسے میرے سامنے بیٹھ کر ابھی دور کریں۔ آپ کو ایسا کیوں لگا کہ دانیال آپ کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتا۔" اب ان کے لہجے میں خشونت اور سختی کی جگہ بزرگانہ سی شفقت نے لے لی تھی۔

"سر! ان کے رویہ سے میں نے ایسا محسوس کیا ہے۔" وہ دانیال پر نظر ڈالے بغیر ان سے مخاطب ہوئی۔ ان کی جرح کے آگے وہ خود کو سخت مشکل میں پھنسا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

ارقم اور سجاد خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے جبکہ دانیال خاموشی سے بیٹھا ڈاکٹر اشفاق کا لیکچر سن رہا تھا، جو مشترکہ طور پر ان سب کو ہی دیا جا رہا تھا، جس کا لب لباب یہ تھا کہ پروفیشنل لیول پر آ کر بچکانہ انداز اختیار کرنا اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرنا پروفیشنلزم کی توہین ہے۔ دس پندرہ منٹ پر محیط وہ لیکچر تمام ہوا تو انہوں نے ان سب کو جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

"آئندہ مجھے ایسی کوئی بچکانہ شکایت نہیں ملنی چاہیئے۔" کہا تو انہوں نے سب سے ہی تھا مگر بہر حال یہ جملہ بطور خاص دانیال کے لیے بولا گیا تھا، انہیں اندازہ تھا کہ وہ اس کی کس بات سے چڑی ہوگی۔ اس کا رویہ اور انداز ان سے پوشیدہ نہیں تھا۔ وہ چاروں ایک ساتھ ہی آفس سے نکلے تھے۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے واقعی بالکل یاد نہیں تھا۔" بہت سنجیدہ سے انداز میں اس نے معذرت کی تھی۔ "بہر حال اب لاسٹ پیریڈ کے بعد آپ لائبریری آ جایئے گا۔" اس نے خاموشی سے اس کی بات سنی تھی۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے ڈاکٹر اشفاق سے بچکانہ انداز اختیار نہ کرنے کے بارے میں لیکچر نہ سنا ہوتا تو وہ اسے اور اس کی معذرت پر چار حرف بھیج کر پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی جاتی۔ مگر اب اس نے جواباً سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا اور پھر جب وہ آخری پیریڈ ختم ہونے کے بعد دانستہ پندرہ بیس منٹ لیٹ لائبریری پہنچی تو وہ وہاں پہلے سے

موجود تھا۔ میز پر اکیلا بیٹھا وہ کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھا۔ وہ خاموشی سے آ کر اس کی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اذما کو دیکھ کر اس نے کتاب بند کر دی اور مکمل طور

پر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اذما فائل کھول کر اس میں سے چند صفحات نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔ "یہ کچھ تھوڑا سا کام کیا ہے میں نے۔" دانیال نے خاموشی سے وہ صفحے لے لیے۔ پھر صرف ایک سرسری نظر ڈال کر ہی اس نے ان پر سے نظریں ہٹا لی تھیں۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو میں یہ کہوں گا کہ ان صفحات کی مناسب ترین جگہ ڈسٹ بن ہے۔" اس کا انداز مذاق اڑانے والا نہیں تھا مگر پھر بھی بات تو اسے سخت ناگوار گزری تھی۔

"کیا خرابی ہے اس میں۔ میں نے لیکچرز اور ریفرینس بکس میں سے ہیلپ لے کر یہ پوائنٹس تیار کیے تھے۔" لہجہ ہموار رکھنے کی اس نے پوری کوشش کی تھی، یہ اور بات کہ چہرے پر پھیلتے ناگواری سے بھرپور تاثرات وہ چھپا نہیں پا رہی تھی۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا کہ یہ غلط ہیں۔ سب صحیح ہیں۔ مگر میرا کام کرنے کا اسٹائل یہ نہیں ہے، مجھے روایتی طرز پر کام کرنا اور لکیر کا فقیر بننا بالکل پسند نہیں۔ اتنے عام سے طریقے سے تو یہ کام کوئی بھی کر سکتا تھا۔ بات تو تب ہے کہ ہم اسے کچھ خاص طریقے سے اور مختلف انداز میں کریں۔ ٹھیک ہے، اس طرح ہمیں تھوڑی سی محنت زیادہ کرنی پڑے گی۔ مگر میں اس طرح کی مشکلات کو انجوائے کرتا ہوں۔ اس محنت اور جانفشانی کے بعد خود کو کتنا سکون ملتا ہے کہ ہم نے کچھ مختلف کیا ہے اور یہ تھکن اسی انفرادیت کی وجہ سے ہے۔" وہ سمجھانے والے انداز میں گویا ہوا تھا۔

"اب چاہے آپ میری اس سوچ سے اختلاف ہی کیوں نہ رکھتی ہوں مگر اس اسائنمنٹ کی حد تک تو آپ کو

اپنے اختلافات پس پشت ڈالنے ہی پڑیں گے۔" وہ بغور اسے دیکھتا فیصلہ کن انداز میں بولا۔

پھر اس کے بعد وہ اسے اس ٹاپک کے بارے میں اپنے نقطہ نظر اور دیگر تفصیلات سے آگاہ کرنے لگا۔ وہ خاموشی سے بیٹھی اسے سن رہی تھی۔ وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اسائنمنٹ سے بالکل لاتعلق ہے، اپنے خیال کے غلط ثابت ہو جانے پر حیران تھی۔ وہ نہ صرف یہ کہ اس میں پوری طرح سے انوالو تھا بلکہ اس بارے میں کافی کچھ سوچ بھی چکا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ کی اس سٹنگ کے بعد جب وہ وہاں سے کھڑی ہوئی تو ہاتھ میں تین چار کتابیں اور چار پانچ فل اسکیپ صفحات بھی تھے، جن پر اس نے دانیال کے بتائے مختلف پوائنٹس نوٹ کیے تھے، یہ کتابیں بھی اسے دانیال ہی نے دی تھیں اور ان میں اس کے کرنے کے لیے بہت سا کام تھا۔ وہ کام جو پہلے ہی خاصا مشکل تھا اسے وہ شخص مزید مشکل بنانے پر تلا ہوا تھا۔ وہ ان کتابوں کی جسامت سے ہی ڈر گئی تھی۔ اگرچہ ان کا مکمل مطالعہ اسے نہیں کرنا تھا، صرف اپنے ٹاپک سے متعلق چیپٹرز ہی دیکھنے تھے۔ مگر اس کے بعد جو انہیں اپنے اسائنمنٹ پر اپلائی کر کے مختلف کیلکو لیشن کرنی تھیں، وہ خاصا پیچیدہ کام تھا۔

"سچ رباب! میری جگہ اگر تم وہاں ہوتیں تو لازمی اس بندے کا سر پھاڑ دیتیں۔ اتنا منہ پھٹ اور بد تمیز۔ پتا نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے۔ ایڈیٹ" رات میں وہ رباب کے ساتھ چیٹنگ کرتے ہوئے اسے آج کا سارا واقعہ بتا رہی تھی۔ وہ صبح دو پیریڈز تک بیٹھ کر اس کے انتظار کرنے والی بات کو بھول نہیں پا رہی تھی۔ اس کے معذرت کر لینے کے باوجود اسے پتا نہیں کیوں ایسا لگ رہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر وہاں نہیں آیا تھا۔ صرف اور صرف اس کی انسلٹ کرنے کے لئے۔ رباب اسے کافی سارے قیمتی اور نادر و نایاب مشوروں سے نواز رہی تھی۔ جن میں سے بیشتر اس کے لیے ناقابل عمل تھے۔

"اب وہ کوئی کام کر کے لائے تو تم بھی یہی کہنا کہ ان تمام خرافات کی اصل جگہ ڈسٹ بن ہے اور نہ صرف ان

کی بلکہ آپ کے لیے بھی وہی جگہ مناسب رہے گی۔" رباب کی اس بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی۔

اگلے روز وہ خود ہی اس کے پاس آگیا تھا۔ "کر لیا آپ نے کام؟" اس کے پوچھنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ

اس کا باس تھا اور وہ بے چاری اس کی ایک ادنیٰ سی ملازم۔ ظاہر ہے، وہ اپنی ماتحت سے جواب طلبی کا حق رکھتا تھا۔ دل ہی دل میں خار کھاتے اس نے فائل اس کے ہاتھ میں پکڑائی تھی۔

جب سے اس کا دانیال عابد سے واسطہ پڑا تھا۔ اسے رباب زیادہ ہی شدت سے یاد آنے لگی تھی۔ ابھی وہ ہوتی تو اچھی طرح اس کے دانت کھٹے کرتی۔ فائل اس کے ہاتھ سے لے کر وہ چلا گیا تھا۔ پھر آخری پیریڈ تک وہ نظر نہیں آیا۔ ارقم اور سجاد تمام پیریڈز میں موجود رہے تھے، چھٹی کے وقت وہ مزنا اور فوزیہ کے ساتھ لیکچر ہال سے باہر نکلی تو وہ سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ رک گئی، اس کی فائل کے ساتھ ساتھ اس نے کچھ کاغذات کے پلندے اور دو کتابیں اس کے ہاتھ میں پکڑائی تھیں۔

"بہت غلطیاں کی ہوئی تھیں آپ نے۔ میرا آدھا وقت تو غلطیاں ٹھیک کرنے میں گزر گیا۔" مزنا اور فوزیہ کی موجودگی میں یہ بات اسے زیادہ ہی بری محسوس ہوئی تھی۔

"اب انفرادیت کا شوق آپ کو ہے ہمیں تو نہیں۔ لہٰذا غلطیاں تو ضرور ہوں گے۔" وہ چڑ چڑے انداز میں سوچ رہی تھی۔ وہ جلدی جلدی اسے آگے کے کام کی تفصیلات بتا رہا تھا۔

"مزید کچھ پوچھنا ہو تو آپ مجھے اس نمبر پر کال کر لیجیے گا۔" اپنا موبائل نمبر اسے لکھ کر دیتے ہوئے اس نے اختتامی جملہ کہا تو وہ نمبر اس سے لیتی ان لوگوں کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

اس نے پوری کوشش کی تھی کہ اب کی بار کوئی غلطی نہ ہو۔ پوری دلجمعی سے اس نے اپنے حصے کا کام کیا تھا۔ اگلے روز پہلا پیریڈ ختم ہونے پر وہ فائل اٹھائے اس کے پاس آگئی۔ وہ فائل اس کے ہاتھ سے لے کر فوراً ہی کرسی پر سے اٹھ گیا اور کلاس روم سے باہر نکلتے ہوئے اسے بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ لائبریری میں

بیٹھ کر اس کے کیے کام کو دیکھنے کے بعد وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے جو غلطیاں ہیں، وہ میں دیکھ لوں گا۔ اب سب سے اہم کام آفس جا کر ڈرائنگز بنوانے کا ہے۔ ابھی چلتے ہیں آفس، کھڑے کھڑے ہاتھ کے ہاتھ کسی بھی ڈرافٹس مین سے ڈرائنگز بنوالوں گا۔ باقی جو کام رہ گیا ہے وہ تو اب ڈرائنگ بننے کے بعد ہی ہو گا۔" باقی کے پیریڈز کو خدا حافظ کہتی وہ مزنا وغیرہ کو اپنے جانے کا بتا کر اس کے ساتھ اس کے پاپا کے آفس آ گئی تھی۔

وہاں سے فارغ ہوتے پتا نہیں کتنی دیر لگ جائے یہی سوچ کر وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اس کے بتائے ہوئے ایڈریس پر اس کی گاڑی کو فالو کرتے ہوئے پہنچی تھی۔ راستے میں آتے جاتے دو چار لوگوں سے دعا سلام کرتا وہ اسے لے کر سیدھا ایک کمرے میں آیا تھا۔

"تشریف رکھیے۔" وہ کمرہ غالباً اسی کا تھا۔ پیچھے بک شیلف میں رکھی لاتعداد کتابیں اور کرسی پر اس کا بیٹھنے والا مالکانہ انداز تو یہی بتا رہا تھا۔

"آپ بیٹھیں۔ میں ذرا یہ ڈرائنگز، ڈرائنگ سیکشن میں بننے کے لیے دے آؤں۔" وہ ہاتھوں میں دو چار کاغذات جن میں رف ڈرائنگ بنی ہوئی تھی لیے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ کافی دیر بعد اس کی واپسی ہوئی اس دوران پیون، کولڈ ڈرنک سے اس کی تواضع کر چکا تھا۔ وہ واپس آ کر بیٹھا تو ایک نظر اس پر ڈال کر ڈرائنگ میز پر پھیلا کر کیلکولیٹر ہاتھ میں لیے کچھ کام کرنے لگا تھا، وہ چپ چاپ اسے کام کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس نے ایک کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ کیلکولیشن کریں۔" وہ خاموشی سے کیلکولیٹر ہاتھ میں لیے ضرب جمع تقسیم کر کر کے حاصل شدہ جواب کاغذ پر اتار رہی تھی۔ شاید اب مزید اس چیز کے لیے اس کے پاس وقت نہیں تھا کہ وہ بیٹھ کر اس کی غلطیوں کی

اصلاح کرے، اسی لیے نسبتاً آسان کام اس کے حوالے کر دیا تھا۔ دو گھنٹوں تک وہ مسلسل یہی کام کرتی رہی۔ وہ کام کر کر کے کاغذ اس کے ہاتھ میں پکڑاتا اور وہ کیلکولیشنز کیے جاتی۔ اس کام سے فارغ ہوئی تو اس نے ٹائپنگ کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر کمپیوٹر ٹیبل کے سامنے بیٹھ گئی۔

اسے پکا پکایا حلوہ کھانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ وہ اس کے ساتھ برابری کی سطح پر پورا پورا کام کروانا چاہتی تھی، مگر جس انداز اور جس طرز سے وہ کام کرتا تھا، وہ اس کے لیول سے بہت اونچے درجے کی بات تھی۔ اس کے تمام گروپ ممبرز اس کی جیسی ذہنی سطح کے لوگ تھے۔ ان کے ساتھ کام کرتے اسے کبھی بھی کوئی کامپلکس نہیں ہوا تھا۔ مگر اس کے ساتھ کام کرتے اسے مسلسل اپنی کم علمی اور بڑی معمولی سی ذہانت رکھنے کا احساس ہو رہا تھا۔ حالانکہ وہ ایسی بات کر نہیں رہا تھا مگر پھر بھی اسے یہ احساس ہو رہا تھا۔

یہ ٹائپنگ اور کیلکولیشنز تو یہ یہاں اپنے ابا کے کسی بھی ملازم سے کرا سکتا تھا، اس نے کیا کارنامہ کیا۔ ساری محنت تو وہ کر رہا ہے۔ بعد میں وہ زبردستی اس محنت میں حق دار بن کر کھڑی ہو جائے گی، اسے خود پر غصہ بھی آ رہا تھا اور جھنجلاہٹ بھی ہو رہی تھی۔ ٹائپ کرتے کرتے اس نے گھڑی پر نظر ڈالی، تین بج رہے تھے۔ امی کو تو اس نے یونیورسٹی سے ہی فون کر کے کہہ دیا تھا کہ شاید کچھ دیر ہو جائے گی، مگر اب خود سخت بیزار ہو رہی تھی۔

اسی وقت کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا۔ دانیال نے ایک دم اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے آنے والے کو سلام کیا تو وہ بھی چونک کر اسی طرف متوجہ ہوئی۔

"پاپا! یہ اذماہیں میری کلاس فیلو۔" اس نے بھی فوراً ہی کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔ انہوں نے خاصے پر شفقت انداز میں اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

"خوب زور و شور سے پڑھائیاں ہو رہی ہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ "اس کام سے فارغ ہو جاؤ تو ذرا ایک چکر کورنگی والی فیکٹری کا لگا آؤ۔ کلائنٹ کا دو تین بار فون آ چکا ہے۔ سائٹ انجینیئر انہیں تنگ کر رہا ہے، جا کر دیکھو مسئلہ کیا ہے۔" وہ غالباً اس وقت اس کے پاس یہی بات کہنے آئے تھے۔

"میں شام میں ہو آؤں گا" اس نے جواب دیا۔

"تم لوگوں نے لنچ کر لیا؟" واپس پلٹتے انہیں دھیان آیا تو بیٹے سے پوچھ بیٹھے۔ اسے تو کب کی بھوک لگ لگ کر ختم بھی ہو چکی تھی۔ دانیال کے نفی میں سر ہلانے پر انہوں نے بہت ناپسندیدہ نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"یہ تو بہت بری بات ہے۔ بچی کو بھوکا بٹھایا ہوا ہے۔" دانیال سے کہتے انہوں نے ایک نظر ازما کو دیکھا اور بولے "یہ میرے صاحبزادے اسی قسم کے ہیں کام میں لگ جائیں تو کھانا پینا کچھ یاد نہیں رہتا۔ اس کی ماں بھی ان حرکتوں پر تنگ آئی رہتی ہے۔ خیر تم تو اس کی دوست ہو تمہیں تو معلوم ہو گا ہی۔"

وہ ان کی غلط فہمی نہ چاہتے ہوئے بھی دور نہیں کر پائی ورنہ انہیں ضرور بتاتی کہ آپ کا یہ بد دماغ بیٹا میرا دوست ہر گز نہیں ہے۔

"عمران سے میں کہہ کر آیا تھا، کھانا لگانے کے لیے۔ تم دونوں بھی میرے کمرے میں آ جاؤ۔ ساتھ لنچ کر لیتے ہیں۔" وہ بیک وقت ان دونوں کو مخاطب کرتے باہر نکل گئے۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاپا کے شاندار آفس میں داخل ہوئی۔ وہاں کی تزئین و آرائش اور انٹیریئر پر ایک طائرانہ سی نگاہ ڈالتے وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

ان دونوں کے انتظار میں انہوں نے کھانا شروع نہیں کیا تھا، وہ بہت پر تکلف انداز میں پلیٹ میں تھوڑے سے

چاول اور سلاد ڈال کر آہستہ آہستہ کھانے لگی تھی۔ وہ اس کے تکلف اور جھجک کو محسوس کر گئے تھے اسی لیے خود مختلف ڈشز اسے آفر کر رہے تھے۔

"ان میں سے کوئی چیز بازار کی نہیں ہے۔ میرا کھانا روز گھر سے آتا ہے۔ باہر کی چیزیں کبھی کبھار تو اچھی لگتی ہیں، روٹین میں ہوٹلز کے کھانے سوائے نقصان پہنچانے کے کچھ نہیں کرتے۔" وہ ماحول کو خوشگوار رکھنے کے لیے گفتگو جاری رکھے ہوئے تھے۔

"خیر تم لوگوں کی جنریشن تو ہے ہی فاسٹ فوڈز کھانے والی جنریشن۔ ہر کام تیزی سے کرنے کی عادت ہے۔ اسی لیے کھانے پینے میں بھی سکون اور اطمینان ختم ہو گیا۔ چلتے پھرتے برگر اور پیزا کھایا اور فارغ۔"

"ہاں ہماری جنریشن نہاری اور پائے کے غم میں مبتلا نہیں رہتی ناں۔ دیسی گھی میں تر بتر پراٹھے اور مرغن کھانے۔ ہم اصل میں زندہ رہنے کے لیے کھاتے ہیں۔" سلاد کھاتے ہوئے دانیال نے فوراً ان سے اختلاف کیا تھا۔

وہ خاموشی سے ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ وہ بیٹے کے انداز پر ہنس پڑے تھے۔

مغرور ابا کو ہونا چاہیے تھا اور ہیں بیٹے صاحب۔ وہ جو یہ سمجھتی تھی کہ اس کے پاپا کوئی بہت خرانٹ اور مغرور قسم کے آدمی ہوں گے، جن کے ماتھے پر شکنیں پڑی ہوں گی اور لہجہ فرعونیت لیے ہوئے ہو گا قطعاً غلط ثابت ہو چکا تھا۔ اگرچہ وہ اسے بیٹے کی دوست سمجھتے ہوئے اتنی ملنساری سے مل رہے تھے مگر وہ پھر بھی ان کے انداز سے متاثر ہوئی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر انہوں نے پیون سے چائے کے لیے کہا، لیکن اسی وقت ان کے کچھ کلائنٹس آ گئے تو وہ دونوں اٹھ کر واپس دانیال کے کمرے میں آ گئے۔

آدھے گھنٹے بعد وہ ٹائپنگ سے بھی فارغ ہو چکی تھی۔

"بس اب آپ جائیں باقی کام میں کر لوں گا، پرنٹ آؤٹس لے کر واپس اس کی میز پر آئی تو اس نے ڈرائنگ پر

سے نظریں اٹھا کر اس سے کہا۔

شاید وہ براہ راست یہ بات بولنا نہیں چاہتا تھا کہ باقی کا کام آپ کے بس کی بات نہیں۔ وہ مجھے خود ہی کرنا پڑے گا۔ مگر وہ اس کے کہے بغیر بھی اس بات سے آگاہ تھی اس لیے اسے خدا حافظ کہتی اپنا بیگ اور دوسرا اسامان اٹھائے وہاں سے نکل آئی۔ ریسپشن تک وہ بھی اٹھ کر اس کے ساتھ آیا تھا، غالباً مینرز نبھائے جا رہے تھے۔

وہ گھر واپس آئی تو امی، بھابی، رجاء اور طوبی کیونکہ دانیال اور اس کے اسائنمنٹ وغیرہ کے بارے میں غائبانہ کافی کچھ جانتی تھیں اسی لیے اس بارے میں ہی بات ہونے لگی۔

"تم سے ذکر سن سن کر تو اب میرا اس بندے کو دیکھنے کا دل چاہنے لگا ہے، آخر کون ہے جو روز ہماری اذما کا موڈ خراب کرتا ہے۔" بھابی نے شرارتی مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے کہا تھا۔

"خیر، تمہیں موقع ملا ہے تو ذرا پی آر وغیرہ اچھی کر لو اس کے ساتھ۔ اب تو والد بزرگوار سے بھی مل لی ہو۔ تمہاری پبلک ریلیشنگ صحیح ہو جائے تو تمہیں بعد میں نوکری کے لیے جوتیاں چٹخانے کی کیا ضرورت ہے ،ان ہی کی فرم میں جاب کر لینا۔ تمہارا اسٹارٹ ہی اتنی اچھی فرم سے ہو جائے تو مزہ آ جائے گا۔" رجاء نے چیونگم چباتے ہوئے اسے اپنے قیمتی مشورے سے نوازا۔

"دنیا میں نوکریاں ختم نہیں ہو گئیں جو میں اس کی جی حضوری کروں۔" وہ بہت برا ماننے والے انداز میں بولی۔

"بس تمہارا یہی انداز تمہیں زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دے گا۔ تمہاری یہ بلاوجہ کی ناک جو ہر معاملے میں آڑے آ جاتی ہے، یہی تمہیں لے ڈوبے گی۔" رجاء نے اپنے سے دو سال بڑی بہن کی عقل پر ماتم کیا۔ بھابی نے بھی رجاء کی بات کی تائید کی۔ ان کے تبصروں پر مسکراتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

اگلے روز دانیال سارا دن یونیورسٹی میں نظر نہیں آیا، اس نے تو سارا کام صرف ایک اسسٹنٹ کی حیثیت سے

کروایا تھا، اس لیے اس کی غیر موجودگی میں اس کے پاس کرنے لے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ سو خاموشی سے تمام کلاسز اٹینڈ کی تھیں اور واپس گھر کی راہ لی تھی۔

وہ پارکنگ ایریا میں گاڑی کھڑی کر کے ایک قدم آگے بڑھی ہی تھی جب اس کی گاڑی کے برابر میں دانیال کی گاڑی آکر رکی، اس نے گردن گھما کر دیکھا، دانیال ہاتھ کے اشارے سے اسے رکنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑی ہو کر اس کے آنے کا انتظار کرنے لگی تھی۔

"السلام علیکم۔" دانیال نے سلام کرنے میں پہل کی۔ اس نے سلام کا جواب دیا تو اس نے ہاتھ میں پکڑا اسائنمنٹ جو فنشنگ اور بائنڈنگ کے مراحل سے گزر چکا تھا وہ اور رول کی ہوئی ڈرائنگز اس کے ہاتھ میں پکڑائی تھیں۔

"آپ کو اس میں جو اسٹڈی کرنا ہے کر لیں۔ کوئی بات پوچھنی ہو تو پوچھ لیجیے گا مجھ سے۔ اگر آپ کی تیاری ہو جاتی ہے تو پھر کل اسے جمع کروا دیں گے۔" اسائنمنٹ جمع کرواتے وقت اس کا وائیوا بھی ہونا تھا، وہ بہت خوب صورت اور معیاری انداز میں تیار کیے گئے ٹائیٹل اور اندرونی صفحوں کو پلٹتے ہوئے اس کی بات سن رہی تھی۔

تقریباً کام وہی تھا جو وہ اس کے ساتھ بطور اسسٹنٹ کرواتی رہی تھی۔ صرف چند اعداد و شمار، گرافس اور تصاویر کا اضافہ ہوا تھا اور یقیناً یہی کام کل یونیورسٹی سے چھٹی کر کے کیا گیا تھا۔ کوئی ایک بات نہیں بلکہ بے شمار باتیں تھیں جنہیں وہ اس سے پوچھنا اور سمجھنا چاہتی تھی مگر یہ خیال دامن تھامے ہوئے تھا کہ جو جو باتیں اسے سمجھ میں نہیں آ رہیں اگر وہ سب وہ دانیال سے پوچھنے بیٹھ گئی تو شاید کل نہیں بلکہ اگلے ہفتے اسائنمنٹ جمع

ہو پائے گا اور ساتھ ہی اس کی جہالت اس کی نظروں میں مزید کنفرم ہو جائے گی۔ وہ سر ہلاتی اس سے کچھ کہے بغیر اسائنمنٹ اور ڈرائنگز ہاتھ میں لیے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئی۔

چھٹی کے وقت اس نے دانیال کو کل اسائنمنٹ جمع کروانے کے بارے میں اپنی رضامندی دے دی تھی۔

"ٹھیک ہے، کل اسے جمع کروا دیتے ہیں۔ یہ ڈرائنگز اور اسائنمنٹ میں اپنے ساتھ لے جاؤں تھوڑا اسٹڈی کروں گی۔" لہجہ بہت لاپرواسا بنانے کی اس نے پوری پوری کوشش کی تھی، اسے یہ پتا نہ چلنے پائے کہ وہ کل وائیوا دینے سے گھبرا رہی ہے۔ دانیال نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا تھا۔

گھر آکر سارا وقت یہاں تک کہ پوری رات وہ ان چیزوں کے ساتھ مغزماری کرتی رہی۔ بہت سی باتیں خود ہی سمجھ میں آگئی تھیں۔ بعض چھوٹی چھوٹی سی باتیں تھیں جو اسے الجھا رہی تھیں اور اگر وہ انہیں دانیال سے پوچھ لیتی تو شاید سارا مسئلہ ہی حل ہو جاتا۔

"نہ جاننا شرمندگی کی بات نہیں، مگر اپنے نہ جاننے کو چھپانا ضرور انسان کو شرمندہ کروایا کرتا ہے۔ اگر آپ کو کوئی چیز نہیں آتی تو پوچھنے میں کبھی بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہیے،" طوبیٰ فجر کی نماز کے لیے اٹھی تو اس کا مسئلہ سن کر فلسفیانہ انداز میں بولی۔

طوبیٰ کی نصیحت اس نے بڑے آرام سے سن لی مگر اس پر عمل ہرگز نہیں کیا۔

دانیال صبح ہی جا کر ڈاکٹر اشفاق سے وائیوا کے لیے ٹائم لے آیا تھا اور آکر اسے بتا بھی دیا تھا۔

"ساڑھے گیارہ بجے بلایا ہے ڈاکٹر اشفاق نے۔"

ان لوگوں کے ساتھ پانچ چھ دوسرے گروپس بھی آج اسائنمنٹس جمع کروا رہے تھے۔ اسی لیے ڈاکٹر اشفاق کے آفس کے باہر اسٹوڈنٹس کا مجمع تھا۔ سب باہر کوریڈور میں فرش پر بیٹھے آپس میں مذاکرات کرتے اپنی اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ مقررہ وقت سے کچھ پہلے ہی وہاں آگئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں دانیال بھی وہیں

آگیا۔ ان کا اسائنمنٹ سب کے ہاتھوں میں گردش کر رہا تھا۔

"یار! تمہارا اسائنمنٹ تو بہت اچھا بنا ہے۔" کچھ رشک اور کچھ حسد میں مبتلا ہو کر یہ جملہ بول رہے

تھے۔ ان لوگوں کی باری آئی تو وہ دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔

بہت سی سورتوں کا دل ہی دل میں ورد کرتے اور جلدی سے نفل مانتے وہ ان کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی ۔ وہ پتا نہیں کتنے خطرناک اور پیچیدہ سوالات توقع کیے بیٹھی تھی مگر وہ تو ان لوگوں کا کام دیکھ کر اتنے خوش ہوئے تھے کہ سب سوال جواب بھلا بیٹھے تھے۔ بجائے وائیوا کے وہاں اسی موضوع پر دوستانہ انداز میں ڈسکشن ہونے لگا تھا۔

ڈاکٹر اشفاق کو وائیوا دے کر آنے کے بعد اس نے بہت سی سینیئر لڑکیوں کو باقاعدہ کامن روم میں بیٹھ کر روتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس لیے خود بھی بہت ڈری ہوئی تھی۔ مگر یہاں تو ایسا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ دانیال اپنے مختلف آئیڈیاز وغیرہ ان سے ڈسکس کر رہا تھا اور وہ اس کے آئیڈیاز کی تعریفیں کرتے ہوئے جوابات سے نواز رہے تھے۔

"کہیے اب تو کوئی شکایت نہیں آپ کو دانیال سے۔ اسائنمنٹ میں اس نے آپ کے ساتھ تعاون کیا یا نہیں ؟۔" ان کے پوچھنے پر وہ تھوڑی شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

دانیال نے بہت غور سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ یوں جیسے وہ اس کے جواب کا بہت بے چینی سے منتظر تھا۔ اب وہ ان سے کیا کہتی کہ اسے اس سے کیا کیا شکایتیں ہیں، اچھی خاصی تھی وہ، اس شخص نے خواہ مخواہ اسے احساس کمتری میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ بلاوجہ خود کو جاہل سا محسوس کرنے لگی تھی۔

"نہیں سر! مجھے کوئی شکایت نہیں۔" کچھ نہ کچھ جواب تو دینا ہی تھا جبکہ وہ دونوں اس کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ بھی رہے تھے۔

وہ دونوں باہر نکلے تو سب بے تابی سے اندر ہونے والے سوال جواب کے بارے میں دریافت کرنے لگے تھے۔

**************************.

وہ مزنا اور فوزیہ کے ساتھ بک شاپ آئی ہوئی تھی۔ اسے نوٹ بکس خریدنی تھیں، مزنا کو لوز پیجز اور فائل چاہیئے تھی، جبکہ فوزیہ کو صرف اپنے سو روپے کھلے کروانے تھے۔ سو روپے کا نوٹ دے کر اس نے خریدی صرف پانچ روپے کی چیز تھی۔

وہ لوگ فوزیہ کی حرکت پر ہنستی بک شاپ سے باہر نکلیں تو سامنے سے دانیال اور ارقم آتے نظر آئے۔ دانیال کے قدموں کی رفتار اسے دیکھ کر تھوڑی سی ہلکی ہوئی تھی۔ شاید وہ توقع کر رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ ہائے ہیلو کرے گی۔ جبکہ وہ ایک نظر اس پر ڈال کر دوبارہ مزنا اور فوزیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بغیر رکے آگے بڑھ گئی تھی۔

"دانیال عابد صاحب! آپ کم از کم اذما مقصود کو تو لڑکیوں کی اس قطار میں شامل مت کیجیے گا جو آپ کو دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتی ہیں۔ آپ سے میرا تعلق اسائنمنٹ کی حد تک تھا، وہ ختم ہوا۔ تعلق بھی ختم ہو گیا۔ آپ سے دوستی کرنے پی آر بڑھانے یا صرف سلام دعا ہی رکھنے کا بھی مجھے کوئی شوق نہیں۔" وہ دل ہی دل میں کہتی کلاس میں آ گئی۔

اسے یقیناً اس کی بداخلاقی اور بدتمیزی پر سخت طیش آیا ہو گا۔ وہ یہ بھی سوچ رہا ہو گا کہ اذما مقصود بہت مطلب پرست اور بڑی خود غرض سی لڑکی ہے۔ اس کی کی گئی محنت کا پھل بڑے آرام سے کھا کر اب وہ اسے سلام کرنے کی بھی روادار نہیں۔ وہ اس کے رد عمل کا سوچتے ہوئے لیکچر نوٹ کر رہی تھی۔

آج ہی تو سب کے اسائنمنٹ میں آنے والے مارکس نوٹس بورڈ پر آویزاں کروائے تھے ڈاکٹر اشفاق نے۔ ان

کے گروپ کے علاوہ کسی بھی گروپ کے بیس میں سے بیس نمبر نہیں آئے تھے۔ کلاس میں جو انہوں نے ان کے اسائنمنٹس کی تعریفیں کی تھیں وہ الگ تھیں۔ پوری کلاس میں دانیال اور اذما کا نام گونج رہا تھا۔

مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ دل ہی دل میں سب کو ہی معلوم ہے کہ ان ساری تعریفوں کا صرف اور صرف وہ اکیلا ہی حق دار ہے۔ اذما مقصود زبردستی یہ تمغہ سجانے

کی کوششیں کر رہی ہے۔ اس لیے اسے کسی بھی تعریف پر کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔

اس کا اور دانیال کا آپس میں دوبارہ اسائنمنٹ سے پہلے کا لاتعلقی کا رشتہ استوار ہو گیا تھا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا یا نہیں بہر حال اسے ایسی کوئی خواہش نہیں تھی۔

وہ لوگ فائنل ائر میں آ چکے تھے، تھرڈ ایئر میں حسب توقع اور حسب سابق دانیال نے ہی پوزیشن لی تھی۔ ان کے گروپ میں سے اذما اور منیب ٹاپ ٹین پوزیشن ہولڈرز میں وہ دونوں شامل تھے۔

فائنل ایر کے ایگزیمز میں چند مہینے ہی رہ گئے تھے۔ اکثر ٹیچرز نے

Sessional marks

کے لیے ان لوگوں پر اسائنمنٹس اور ٹیسٹوں کے بوجھ بھی لاد دیے تھے۔ ہمیشہ کی طرح مل جل کر اور باہمی اتفاق و یگانگت کے ساتھ سارے کام کیے جا رہے تھے۔ ایسے میں پروفیسر حسنین نے اپنے بہت قریبی اور جگری دوست ڈاکٹر اشفاق کے اصولوں پر چلتے ہوئے ایک مرتبہ پھر ان لوگوں کے بنے بنائے گروپس میں رخنہ اندازی کر ڈالی تھی۔

فائنل ایر میں ڈاکٹر اشفاق ان لوگوں کو نہیں پڑھا رہے تھے، وہ آج کل ماسٹرز والوں کی کلاسز لینے لگے تھے

۔مگر اپنی کمی پوری کرنے کے لیے انہوں نے پروفیسر حسنین کو یہاں چھوڑ رکھا تھا۔ان سب کو پورا پورا یقین تھا کہ یہ نادر و نایاب مشورہ انہیں ڈاکٹر اشفاق نے ہی دیا ہو گا۔

نئے گروپ خود بنانے کی دردسری بہر حال انہوں نے مول نہیں لی تھی۔بس وہی گروپ بنا دیئے تھے جو تھرڈ ایئر میں ڈاکٹر اشفاق نے بنائے تھے۔اب کی بار کسی کو بھی پہلے کی طرح زیادہ غصہ نہیں آیا تھا،سب ہی نے خاموشی سے اس چیز کو برداشت کر لیا تھا۔مگر اذمانے اب کی بار گروپ بننے پر بہت خوشی محسوس کی تھی۔

"ہسٹری آف آرکیٹکچر" میں ساری کلاس میں اس سے اچھا دوسرا کوئی اسٹوڈنٹ نہیں ہو سکتا تھا۔اسے اس بات کا یقین تھا۔اس مضمون میں اس کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔اسے شروع ہی سے ہسٹری اور خاص طور پر مختلف ممالک کے آرکیٹکچر کی ہسٹری میں بہت زیادہ دلچسپی تھی۔اسے یقین تھا کہ اس مضمون میں وہ دانیال عابد سے کہیں زیادہ اور بہتر علم رکھتی ہے۔

اسائنمنٹ کے لیے ایک ہفتہ کا وقت ملا تھا۔اس موضوع پر اس کے پاس جتنی کتابوں کا ذخیرہ تھا،وہ ان سے استفادہ کر رہی تھی۔ساتھ ساتھ انٹرنیٹ پر بھی اپنی مطلوبہ سائٹس پر جا کر مختلف کام کی چیزیں ڈاؤن لوڈ کر رہی تھی۔دانیال آج کل یونیورسٹی نہیں آ رہا تھا،اس کی غیر موجودگی ہر ٹیچر کے لیے ہی تشویش کا باعث تھی۔

ان کے ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین نے جو انہیں فائنل ایئر میں پڑھا بھی رہے تھے،لیکچر ہال میں لیکچر دیتے دیتے اس کی غیر حاضری کی وجہ ارقم اور سجاد سے دریافت کی تھی۔

"کوئی پروجیکٹ چل رہا ہے اس کی فرم کا زیارت میں۔وہ اسی سے متعلق کچھ کام کرنے زیارت گیا ہوا ہے۔"سجاد نے جواب دیا تھا۔

وہ لوگ فزکس کی لیب کے باہر فرش پر بیٹھے باتیں کرتے ہوئے اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔چھاپا خانہ کھلا ہوا

تھا۔سب ایک دوسرے سے مختلف اسائنمنٹس وغیرہ لے کر چھپائی می مصروف تھے۔

کوریڈور سے گزرتے ارقم اور سجاد ان لوگوں کو بیٹھا دیکھ کر رک گئے،وقار وغیرہ سے ہاتھ ملانے اور خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد ارقم اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"آپ حسنین صاحب سے بات کر کے اپنا اسائنمنٹ جمع کروا دیں۔دانیال کو کم از کم ابھی ایک ہفتہ تو ضرور لگے گا۔میری اس سے بات ہوئی تھی،اس نے آپ کو یہ میسج دینے کے لیے کہا تھا۔"

اس نے اس کی بات پر کوئی تاثر چہرے پر لائے بغیر

سر ہلا دیا۔حالانکہ دل ہی دل میں وہ بری طرح پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔

"خوش فہمی دیکھو موصوف کی۔میں جیسے ان کے آسرے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوں گی۔"

ارقم نے تو الفاظ کا خاصا درست چناؤ کر کے یقیناً سنسر شدہ گفتگو اسے سنائی تھی وگرنہ اس نے تو فون پر یہ کہا ہو گا کہ "اس جاہل ابن جاہل سے کہنا،اب کی بار اپنا کام خود کرے۔آخر کب تک میرے کارناموں اور میری محنت پر انعامات اور تعریفیں وصول کرتی رہے گی۔"

اس کے لیے تو شاندار موقع تھا۔اس مغرور انسان کے احسانوں کا بوجھ اتارنے کا۔ایک تو وہ اس مضمون میں تھی ہی اچھی،اس پر جب اس نے دن رات ایک کر کے بہت دل لگا کر اور محنت سے اسائنمنٹ بنایا تو اسے سو فیصد یقین تھا کہ یہ کلاس کا بہترین اسائنمنٹ قرار پائے گا۔ٹائٹل پیج پر اسائنمنٹ کا عنوان،کورس انچارج کا نام اور اس کے نیچے "SUBMITTED BY" میں اس نے اوپر دانیال عابد کا نام اور رول نمبر اور پھر نیچے اپنا نام اور رول نمبر لکھا تھا۔

آخری ڈیٹ سے ایک دن پہلے وہ اسائنمنٹ جمع کروا کر آگئی تھی۔

مزنہ اور فوزیہ اس کی عظمت اور اعلاظرفی کے اس مظاہرے پر حیران تھیں۔وہ اپنے دل میں موجود اصل

بات انہیں بتا نہیں پائی۔ بس خاموشی سے اپنی انسان دوستی اور بلند اخلاقی قدروں کے مظاہرے پر حیرت بھرے جملے سنتی رہی۔ دانیال کی واپسی پندرہ روز بعد ہوئی تھی۔ وہ جتنا اچھا اسٹوڈنٹ تھا، اسے کوئی بھی ٹیچر اتنا فیور تو دے ہی سکتا تھا کہ وہ اسائنمنٹ ڈیٹ گزرنے کے بعد تیار کر کے جمع کروادے۔ اسی لیے وہ بڑا مطمئن سا تھا۔ اس روز اس کا چھٹیوں کے بعد پہلا دن تھا۔ جب دوسرے پیریڈ میں پروفیسر حسنین کلاس میں داخل ہوئے۔

"سر! اسائنمنٹ چیک ہو گئے؟" کسی کونے سے آواز آئی تھی۔

"ہاں۔ میں پیون کو نمبروں کی لسٹ دے کر آیا ہوں۔ لگادی ہو گی اس نے نوٹس بورڈ پر۔" انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اسائنمنٹ سب کے ہی اچھے ہیں۔ مگر سب سے اچھا بلکہ بہترین اسائنمنٹ دانیال اور اذما کا ہے۔ بہت محنت کی ہے ان دونوں نے۔ میں بہت امپریس ہوا ہوں ان لوگوں کی محنت سے۔ بلکہ بعض باتیں تو اس میں ایسی ہیں کہ میری معلومات میں اضافے کا سبب بنیں۔"

اس نے کن اکھیوں سے دانیال کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر حیرت صاف پڑھی جاسکتی تھی۔ نہ صرف اس کے بلکہ ارقم اور سجاد کے چہروں پر بھی۔

جب آپ کسی کے احسانوں کا بوجھ اتار کر پھینکتے ہیں تو کس قسم کا سکون اور اطمینان ملتا ہے، یہ بات اس نے اس لمحہ جانی تھی۔ پروفیسر حسنین کافی دیر تک ان کے اسائنمنٹ میں لکھی مختلف باتیں سب لوگوں کو بتاتے ہوئے ان لوگوں کی معلومات میں گراں قدر اضافہ کرتے رہے تھے۔ کلاس ختم ہوتے ہی سب ہی فوراً کلاس روم سے باہر نکلے تھے۔ سب کا رخ نوٹس بورڈ کی طرف تھا۔ سوائے دانیال، ارقم اور سجاد کے۔ جو پروفیسر حسنین کے آفس کی طرف جاتے نظر آرہے تھے۔

وہ یقیناً اپنی کی ہوئی "محنت" اور بے مثال ذہانت "اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہو گا۔ اب وہ یہ بچکانہ پن تو اختیار کر نہیں سکتا تھا کہ اس بات سے مکر جاتا کہ اسائنمنٹ اس نے نہیں بنایا، اسے بھی اذما ہی کی طرح یہ میڈل لازمی وصول کرنا تھا۔

اس کا خوشی کے مارے برا حال تھا۔ دل چاہ رہا تھا بچوں کی طرح اچھل کود کر خوشی کا اظہار کرے۔ مگر اس خوشی کا اظہار اس نے گھر والوں اور رباب کے سامنے کرنا تھا۔ خاص طور پر اسے رباب سے شاباش وصول ہونے کی پوری پوری امید تھی۔

"تپ رہے ہوں گے موصوف بلکہ جل بھن کر شامی کباب ہو گئے ہوں گے کہ ایک لڑکی کے آگے نیچا پڑنا پڑا ہے۔" رباب نے ساری داستان اس کی زبانی سن کر بڑا مزے دار تبصرہ کیا تھا۔

"یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے اچانک ہی پاکستان نے امریکہ کو امداد دینی شروع کر دی ہو۔" وہ اس کے تبصروں پر خوب دل کھول کر ہنسی تھی۔

"پاکستان اگر امریکہ کو امداد دینا شروع کر دے تو سپر پاور جواباً شکریہ تو ادا نہیں کرے گا۔ امداد ملنے پر اس کا دل تو ڈوب مرنے کو چاہے گا۔ چاہے یہ امداد بغیر کسی خواہش کے اور بن مانگے ہی ملی ہو مگر اس نے وصول تو کی ہے ناں۔" یہی سوچتے ہوئے وہ اس کی جانب سے اس بارے میں کسی "شکریہ" اور "نوازش" اور "بڑی زحمت کی آپ نے" سننے کی منتظر نہیں تھی۔

***

اگلے روز مزنہ اور فوزیہ دونوں ہی غائب تھیں۔ وہ فری پیریڈ میں اکیلی بور ہوتی لائبریری میں آ کر بیٹھ گئی

تھی۔ کافی آگے کی ایک میز پر اسے دانیال، ارقم، سجاد دو تین اور لڑکوں کے ساتھ بیٹھے نظر آئے تھے۔
ان لوگوں پر ایک نظر ڈالتی وہ ابھی بیٹھی ہی تھی جب دانیال اپنی کرسی کھسکا کر اٹھا۔ اپنے دوستوں سے معذرت کرتا وہ اس کے پاس آگیا۔ اسے اپنی طرف آتا دیکھ اسے بہت حیرت ہوئی تھی۔

"میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔" مہذّب انداز میں اس نے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

اس کے گردن ہلانے پر وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"بہت زبردست اسائنمنٹ بنایا ہے آپ نے۔

اگر آپ کے پاس اس کی ایک کاپی ہو تو مجھے دے دیجیے گا، میں فوٹو کاپی کروا کر واپس کر دوں گا۔" وہ بہت سنجیدگی اور بردباری سے بولا۔

انداز ایسا تھا جیسے اسائنمنٹ اگر اس نے بنا ہی لیا اور اس کا نام بھی دے دیا تو ایسا کوئی بڑا احسان بھی نہیں کیا، جو وہ اٹھا ہی نہ سکے۔

یہ امریکہ تو بہت بے شرم اور ڈھیٹ ہے۔ شاید وہ بھی سپر پاور کا کوئی انداز ہے کہ جس طرح دینا صرف میرا ہی فرض ہے بالکل ایسے ہی کبھی کبھار لے لینا بھی میرا حق ہے اور اپنا حق وصول کرنے میں احسان مندی کیسی اور شکریہ، مہربانی کا کیا ذکر۔ دل میں اس نے جتنی بھی خار کھائی ہو مگر لبوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے جھٹ بولی۔

"میں آپ کو کل لا دوں گی۔" وہ بڑے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ دانیال کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی اس کی بات سن کر۔ یہ اور بات کہ اس نے اسے فوراً چھپا بھی لیا تھا۔

اپنے دوستوں کے علاوہ تو اس نے اسے کبھی کسی کے ساتھ ہنستے مسکراتے نہ دیکھا تھا۔ دیگر کلاس فیلوز کے

ساتھ تو وہ بالکل خشک اور سرد سا انداز اختیار کیے رکھتا تھا۔ ایسے میں اس کے چہرے پر موجود مسکراہٹ اور اس کے پاس آکر بیٹھنا اسے مسلسل حیران کیے دے رہا تھا۔

"کیسی تیاری ہو رہی ہے آپ کی ایگزیمز کی؟" ایک اور غیر متعلقہ سوال پوچھا گیا۔

"تیاری صحیح ہو رہی ہے۔" اس نے زبردستی ہونٹ پھیلاتے ہوئے جواب دیا۔

وہ اس کی مسلسل خود پر مرکوز نگاہوں سے سخت بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ شکر ہوا تھا کہ وہ اس مختصر گفتگو کے بعد فوراً ہی اٹھ گیا تھا۔ وہ اسے واپس اس کے دوستوں کے پاس جاتا دیکھ رہی تھی۔ وہ جا کر ان لوگوں کے پاس بیٹھا وہ تب بھی اسی کو دیکھ رہی تھی۔

بیٹھتے ساتھ ہی اس نے اذما کی طرف دیکھا تھا اور اسے اپنی سمت دیکھتا پا کر ایک بڑی خوش اخلاق سی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی تھی۔ کچھ گڑبڑا کر اس نے فوراً ہی سر جھکا کر کتاب پر نظریں جما دی تھیں۔

دوسرے دن اسائنمنٹ کی کاپی اس نے دانیال کو دے دی جو اس نے آخری پیریڈ سے کچھ پہلے اسے شکریہ کے ساتھ واپس بھی کر دی تھی۔

دن اتنی تیزی سے گزرے تھے کہ کب امتحان شروع ہوئے اور کب ختم بھی ہو گئے، پتا ہی نہیں چلا تھا۔ اس روز ان لوگوں کا آخری وائیوا تھا۔ ہاتھی گزر چکا تھا بس اب دُم رہ گئی تھی یعنی صرف فائنل ائیر کا پروجیکٹ رہتا تھا۔ وہ وائیوا دے کر فارغ ہوئی تو آس پاس نظر آتے تمام کلاس فیلوز کو خدا حافظ کہتی ڈیپارٹمنٹ سے نکل آئی۔ دل تھوڑا سا اداس ہو رہا تھا۔ حالانکہ ابھی پروجیکٹ کے سلسلے میں یونیورسٹی آنا بھی تھا اور سب سے ملنا ملانا بھی تھا مگر پھر بھی یونیورسٹی اور دوستوں کی جدائی دل کو اداس کر رہی تھی۔ یونہی کچھ چپ چپ اور اداس سی وہ پارکنگ میں آئی تو نظریں اپنی گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے دانیال سے ٹکرائی تھیں۔

آنکھوں پر سن گلاسز چڑھائے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ بڑے بے فکرے انداز میں اس کی گاڑی سے ٹیک

لگائے کھڑا تھا اور غالباً دیکھ بھی اسی کی طرف رہا تھا۔ وہ اپنی گاڑی کے پاس اس کے یوں کھڑے ہو جانے پر سخت حیران ہوتی وہاں آئی تھی۔

اسے آتے دیکھ کر وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ یعنی وہ اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔ اس کی بے تحاشا حیرت اس کے چہرے پر صاف پڑھی جا سکتی تھی۔ اس روز جو اس نے دانیال کو اسائنمنٹ کی کاپی لا کر دی تھی اس کے بعد پھر اتنے بے شمار دنوں میں ان دونوں کی کے درمیان کبھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

"کیسا ہوا وائیوا؟" کیا وہ اتنی دیر سے دھوپ میں کھڑا یہی پوچھنے کے لیے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"اچھا ہوا" اس کا جواب مختصر تھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ سے ٹیک لگا کر یوں کھڑا تھا جیسے یہاں سے ہٹنے کا ارادہ ہی نہیں ہے۔

"میں اتنی دیر سے آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"اتنی عقل تو مجھے بھی دے رکھی ہے اللہ نے۔"

کچھ جل کر اس نے سوچا تھا۔

"آپ کا ہسٹری میں بہت انٹرسٹ ہے۔ خاص طور پر آرکیٹکچر کی ہسٹری میں۔ مجھے بھی اس میں بہت دلچسپی ہے۔ جن جن ممالک کے آرکیٹکچر کی ہسٹری میں مجھے دلچسپی ہے، ان میں سے بیشتر جگہوں میں جا چکا ہوں۔ مگر اب میرا دل چاہنے لگا ہے کہ میں ان تمام جگہوں پر ایک مرتبہ پھر جاؤں۔ رومن آرکیٹکچر کی وہ سب یادگاریں جو اٹلی، فرانس، اسپین، جرمنی، سیریا، لبنان اور انگلستان میں بکھری ہوئی ہیں مجھے بہت فیسی نیٹ کرتی ہیں، میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔ مصری آرکیٹکچر سے منسلک وہ تمام پر شکوہ عمارتیں جو دریائے نیل کے کنارے ابھرنے والی ایک عظیم تہذیب کی یاد دلاتی ہیں۔ وہاں جانا چاہتا ہوں۔ مغل آرکیٹکچر کی عظمتِ رفتہ کو کھوجنا چاہتا ہوں۔

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اب کی بار جب میں روم میں کلوزیم، ویٹیکن سٹی، آگرہ میں تاج محل، دہلی میں لال قلعہ، قاہرہ میں اہرامِ مصر اور فرعونوں کے دور کی یاد دلاتے کھنڈرات کے پاس سے گزروں تو ان سب جگہوں پر آپ بھی میرے ساتھ ہوں۔"

ایک بہت مختصر سی بات جو شاید تین لفظوں میں بھی بیان کی جا سکتی تھی، بہت لمبی جوڑی تمہید باندھنے کے بعد کہہ گئی۔ مگر اظہار کا انداز بہر حال خوبصورت تھا۔ اگر اس نے یہ جملے کسی جگہ لکھے ہوئے پڑھے ہوتے یا کسی فلم میں سنے ہوتے تو یقیناً کہنے والے کو اتنے خوبصورت الفاظ استعمال کرنے پر داد و تحسین سے نوازتی۔ مگر اس وقت وہ الفاظ کی خوبصورتی پر دھیان نہیں دے پائی تھی۔ اتنی غیر متوقع بات اور وہ بھی اتنے غیر متوقع شخص کے منہ سے سن کر وہ ساکت رہ گئی تھی۔

وہ بہت گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا اپنے سوال کے جواب کا منتظر کھڑا تھا۔ یوں جیسے جواب سنے بغیر وہ وہاں سے ہٹے گا نہیں۔

"آپ نے جواب نہیں دیا اذما؟" بڑا پر اعتماد سا انداز تھا اس کا، براہ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہوا سنجیدہ سا انداز۔

وہ سولہ سال کی فلمی اور افسانوی سی الھڑ دوشیزہ نہیں تھی بلکہ یونیورسٹی سے عنقریب فارغ التحصیل ہو جانے والی ایک میچور لڑکی تھی اور سامنے کھڑا بندہ یقیناً اس سے کسی میچور جواب ہی کی توقع کر رہا تھا۔ اپنی اس سولہویں صدی کی شرم و حیا اور اسٹوپڈ سی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے اس نے خود کو فوراً کمپوز کیا۔

"میں آپ کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتی۔ اس لیے کہ میں نے اپنی زندگی کے تمام فیصلوں کا اختیار اپنے والدین کو دے رکھا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ جو کچھ میرے لیے سوچیں گے، وہی میری لیے سب سے بہتر ہو گا۔" جواب دیتے وقت اس نے بہت پر سکون انداز میں اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی تھی۔

یہ اور بات کہ نظر فوراً ہی واپس بھی لی تھی۔ کیا کبھی کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنا دنیا کا سب سے مشکل اور ناممکن کام بھی لگ سکتا ہے۔ اس نے خود پر جھلّاتے ہوئے سوچا۔

دانیال نے بہت خاموشی سے اس کا جواب سنا اور پھر مزید کچھ کہے بغیر اس کی گاڑی کے پاس سے ہٹ گیا۔ بیگ میں سے گاڑی کی چابی نکال کر لاک کھولتے ہوئے اس نے ایک پل کو تیز تیز قدموں سے اپنی گاڑی کی طرف جاتے دانیال کو دیکھا اور پھر جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔۔

*****

کتنی عجیب سی بات ہوئی تھی، دانیال عابد کے بارے میں تو اس نے کبھی خواب وخیال میں بھی نہیں سوچا تھا۔ کبھی ایسا محسوس بھی نہیں کیا تھا کہ وہ اسے کوئی اہمیت دیتا ہے اور وہی شخص اس کی زندگی میں اس پہلے شخص کا درجہ پا گیا تھا جس نے اس سے خود اسی کو مانگ لیا تھا۔

جس طرح انسان کو اپنی پہلی خوشی، پہلا غم، پہلی کامیابی اور پہلی ناکامی کبھی نہیں بھولتی اسی طرح پہلا اظہار اور پہلی محبت بھی ہمیشہ یاد رہتی ہے۔ پھر وہ اسے ملے نہ ملے مگر یاد ہمیشہ رہتی ہے۔ اسے پتا تھا کہ وہ اس لمحہ کو کبھی بھی اپنی زندگی سے نکال کر پھینک نہیں پائے گی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ کوئی ایسی لڑکی نہیں جس سے کوئی بھی راہ چلتا اظہار محبت کر جائے اور جو ایسا کرے تو وہ کوئی راہ چلتا نہیں ہو سکتا تھا۔

زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ جب وہ رباب سے بھی اپنی فیلنگز شئیر نہیں کر پائی تھی۔ گھر میں سب نے اس کی غیر معمولی خاموشی کو محسوس کر کے کافی سوال جواب کیے۔ پھر اس کی یہ خاموشی اس وقت ٹوٹی تھی جب اسی رات دانیال کے ممی، پاپا ان کے گھر آئے۔

"تم تو کہتی تھیں کہ وہ تمہاری یونیورسٹی میں ناپسندیدہ ترین شخص ہے۔" رجاء، بھابھی اور طوبیٰ، ان لوگوں کے

جانے کے بعد امی سے تمام تفصیلات سن کر اس کے پیچھے پڑ گئی تھیں۔

آج یونیورسٹی میں اس کے ساتھ ہونے والی باتیں وہ سب سے چھپا گئی تھی، سب کے سامنے معصومیت کی ایکٹنگ کرتے جیسے اسے خود ان لوگوں کے آجانے پر بہت تعجّب ہوا ہو۔ رباب کو البتہ اس نے تفصیل سے ساری بات بتا دی تھی۔ اس کا مارے حیرت کے برا حال تھا۔ دوسرے لوگ تو کیا وہ خود بھی حیران تھی۔ مگر سونے سے پہلے جب اس نے خود کو ٹٹولا تو پتا چلا کہ وہ صرف حیران بلکہ بے تحاشا خوش بھی ہے۔

خاندان میں سے بھی بابا کے ایک کزن کے بیٹے کا رشتہ اس کے لیے آیا ہوا تھا۔ بابا اور امی نے آخری فیصلے کا حق اسے دے دیا تھا۔ امی خود اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

"دانیال کی فیملی ہم سب کو ہی پسند آئی ہے اور سبحان بھائی کی فیملی تو ظاہری بات ہے دیکھی بھالی ہے۔ ہمیں تو دونوں میں سے کسی رشتے پر اعتراض نہیں۔ مگر ہم لوگ چاہتے ہیں کہ اس بارے میں تم خود فیصلہ کرو۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے اب بیٹی کے چہرے پر لکھا تاثر پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

جواب تو نہیں اس کے چہرے پر ہی لکھا نظر آ گیا تھا۔ مگر اسے یہ بات پتا نہیں چلی تھی، اسی لیے تھوڑا سا جھجکتے ہوئے بڑے دھیمے سے لہجے میں اس نے دانیال عابد کا نام لیا تھا۔

***

اس روز دانیال کی فیملی ان لوگوں کے گھر ڈنر پر آ رہی تھی۔ اسی روز منگنی کی تاریخ بھی طے کی جانی تھی۔

دانیال کی فیملی کے سب ہی لوگوں سے وہ مل چکی تھی سوائے اس کے بڑے بھائی اور بھابھی کے۔ طارق بھائی ائیر فورس میں تھے اور آج کل راولپنڈی میں پوسٹڈ تھے۔ باقی اس کی دونوں بہنوں سے وہ مل چکی تھی۔ زویا

آپی شادی شدہ تھیں جبکہ حمنیٰ ابھی پڑھ رہی تھی۔

جس روز رشتہ طے ہوا تھا اس روز رخصت ہوتے وقت دانیال کے پاپا نے اس کے سر پر پھیر کر دعا دینے کے بعد قدرے شریر انداز میں کہا تھا۔

"میں تو تمہیں بس دانیال کی دوست سمجھا تھا۔ حیرت ہے، مجھے پتا کیوں نہیں چلا کہ یہ دوست صاحبہ ذرا خاص قسم کی دوست ہیں۔" وہ ان کے انداز پر تھوڑی جھینپ سی گئی تھی۔ اسی لیے آج ان لوگوں کے آنے پر ڈرائنگ روم میں جانے سے ہچکچا رہی تھی۔

اس روز تو جب انہوں نے وہ بات کہی تھی تو صرف امی اور دانیال کی ممی ہی وہاں موجود تھیں جبکہ آج تو وہاں سب ہی موجود تھے اور ایسے میں وہ کوئی بے باک قسم کا تبصرہ سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"یہ کیا تم یہاں چودھویں، پندرھویں صدی کی ہیر ئنوں کی طرح بیٹھی شرما رہی ہو۔ سب وہاں تمہارا پوچھ رہے ہیں۔ خاص طور پر دانیال بھائی کی بھابھی تمہیں دیکھنے کے لیے بہت ایکسائیٹڈ ہیں۔" رجاء نے آکر زبردستی اسے اٹھایا تھا۔

وہ رجاء کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو نظریں سب سے پہلے سامنے بیٹھے ہوئے دانیال سے ہی ٹکرائی تھیں۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ اسے پتا تھا، اس وقت کتنے لوگوں نے اسے فوکس کیا ہوا ہے۔ اس لیے جلدی سے بغیر مسکرائے سر جھکا کر سب کو سلام کرتی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

بابا کی انکل اور طارق بھائی سے عالمی اور ملکی سیاست پر بات ہو رہی تھی، قاسم بھائی کی دانیال اور اس کے بہنوئی سے دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ پر زوردار بحث ہو رہی تھی۔ امی اور آنٹی مردوں کی اس بے موقع گفتگو سے بیزار آپس میں منگنی کے دن سے متعلق تمام معاملات طے کر رہی تھیں جبکہ وہ دانیال کی بھابھی اور بہنوں کے نرغے میں پھنسی بیٹھی تھی۔ بھابھی، رجاء اور طوبیٰ بھی وہیں بیٹھی تھیں۔

"کتنی بے چینی تھی مجھے تمہیں دیکھنے کی۔ جب سے پتا چلا تھا کہ دانیال کا رشتہ طے ہو گیا، میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر کراچی پہنچ جاؤں۔" ثمرہ بھابھی نے بہت گرم جوشی سے کہا۔

"ہاں اتفاق کی بات ہے، آپ کی کوئی تصویر بھی ہمارے پاس نہیں تھی ورنہ وہی بھابھی کو بھیج دیتے۔" حمنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دانیال سے میں نے فون پر پوچھا کہ اذما کیسی ہے۔ کیا بہت خوبصورت ہے؟ تو جواب میں بڑے اطمینان سے بولا۔ آپ مجھ سے مت پوچھیں، میری رائے مانگیں گی تو میں تو یہ کہوں گا کہ وہ دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے۔ اتنی حسین کہ مس ورلڈ اور مس یونیورس بھی اس کے آگے پانی بھرتی نظر آتی ہیں۔ بہتر ہو گا، آپ کراچی آکر اسے خود دیکھ لیں اور اندازہ کر لیں کہ وہ کتنی خوبصورت ہے۔"

ثمرہ بھابھی کی یہ بے تکلفانہ بات سن کر بھابھی، رجاء، طوبیٰ اور حمنی وغیرہ تو قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھیں جبکہ وہ سر جھکائے بری طرح کنفیوز سی بیٹھی ہوئی تھی۔ پتا تھا۔ بعد میں بھابھی اور رجاء اس بات پر اس کا کتنا ریکارڈ لگائیں گے۔

کھانے کے وقت تک وہ ان لوگوں کے درمیان پھنسی رہی تھی۔ اس کی کنفیوز سی گھبرائی ہوئی شکل کو وہ سب ہی انجوائے کر رہے تھے۔ کھانے کے وقت وہ آنٹی کے برابر میں بیٹھ گئی تھی۔ حالانکہ بعد میں اس پر بھی "ساس کو بٹر نگ کی جا رہی تھی" قسم کے جملوں

سے نوازا جانا تھا مگر اس معنی خیز گفتگو سے یہ الزام کہیں بہتر تھا۔

ان لوگوں کے جاتے ہی وہ جلدی سے اپنے کمرے میں آگئی تھی اور فوراً ہی کپڑے بدل کر سونے لیٹ گئی تھی۔

****

دونوں ہی طرف سے منگنی کی خوب زوردار تیاریاں کی گئی تھیں۔ آنٹی اور حمنی وغیرہ تو اسے ساتھ لے جا کر شاپنگ کرنا چاہتی تھیں مگر اس نے سہولت سے منع کر دیا۔

"آنٹی! آپ کی پسند مجھے یقیناً پسند آئے گی۔ آپ کو جو کلر اور جو اسٹائل اچھا لگے، لے لیں۔" بھابھی کا خیال تھا کہ وہ یقیناً ایک آئیڈیل بہو ثابت ہو گی۔ ساس کی کسی بات سے اختلاف نہ کرنے والی۔

دانیال سے اس دوران اس کی بالکل بھی بات نہیں ہوئی تھی۔ حمنی ہی کی زبانی پتا چلا تھا کہ وہ آج کل پروجیکٹ کے اختتامی حصے میں مصروف ہے۔ خود اس کے گروپ نے اسے منگنی کی تیاریاں میں مصروف ہونے کے سبب پروجیکٹ کے کاموں سے کافی حد تک چھٹی دی ہوئی تھی۔ رباب کے پیپرز چل رہے تھے ورنہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی لاڈلی اور چہیتی سہیلی کی منگنی میں اڑ کر پہنچ جائے۔ فنکشن حسبِ توقع بہت اچھا ہوا تھا۔

وہ ان کی منگنی کے بعد تیسرا دن تھا جب صبح صبح دانیال کا فون آیا۔

"تم یونیورسٹی آؤ گی آج؟" اتنے عرصے جس شخص کے ساتھ پر تکلّف انداز میں آپ جناب کر کر کے باتیں کی ہوں اس کے منہ سے بے تکلّفانہ انداز تخاطب اسے بڑا مختلف اور اچھا لگا تھا۔

"تمہارا گروپ تو تقریباً روز آ رہا ہے۔ کل بھی میری، چیئرمین کے آفس کے باہر وقار اور منیب سے ملاقات ہوئی تھی۔ تم کیوں نہیں آ رہیں؟" اس کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ مزید بولا۔

اب وہ اسے کیا بتاتی کہ پچھلے کئی دنوں سے وہ اپنی منگنی کی تیاریوں میں مصروف باقی ساری دنیا سے کٹی ہوئی تھی، دل ہی دل میں اس نے خود پر لعنت بھیجی۔

ساری دنیا کی منگنیاں اور شادیاں ہوتی ہیں لیکن لوگ اس طرح اپنا کام کاج چھوڑ کر تو نہیں بیٹھ جاتے،

"ہاں۔ میں آؤں گی۔" اس پر یہ ظاہر کیے بغیر کہ یہ پروگرام ابھی کھڑے کھڑے ترتیب دیا گیا ہے، اس نے جواب دیا۔

"ہاں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم سے تو ملاقات ہو ہی نہیں پا رہی۔ آج ہم لوگ پروجیکٹ جمع کروا رہے ہیں۔ پھر تو یونیورسٹی جانا بھی نہیں ہو گا۔ چلو پھر تم آ رہی ہو تو وہیں ملیں گے۔" اس نے فون بند کر دیا۔

جلدی جلدی ناشتے سے فارغ ہو کر وہ یونیورسٹی کے لیے تیار ہونے لگی تھی۔

یونیورسٹی آئی تو سب سے پہلے کوریڈور میں بیٹھے دانیال، ارقم، سجاد سے ہی سامنا ہوا تھا۔ وہ دونوں بھی ہمیشہ کا پر تکلف اا ور ریزرو سا انداز ترک کر کے اس سے بڑی خوش اخلاقی اور اپنائیت سے ملے تھے۔

"ابھی تو چیئرمین نہیں آئے۔ ہم لوگ تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔" دانیال نے ان دونوں سے کہا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا تھا۔

وہ اپنے گروپ کو تلاش کرنے کی زحمت کیے بغیر دانیال کے ساتھ گارڈن میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ درخت کی چھاؤں میں گھاس پر بیٹھے اسے چند روز پہلے کی بھابھی، رجاء اور طوبیٰ کی باتیں یاد کر کے ہنسی آنے لگی۔ وہ بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کس بات پر ہنس رہی ہو۔ مجھے بھی بتاؤ؟"

اب وہ ان لوگوں کی اتنی فضول سی بات اسے کیسے بتاتی سو یونہی مسکرا کر رہ گئی۔ پاس سے گزرتے بعض جونیئر فیلوز اور ٹیچرز نے انہیں ساتھ بیٹھے بہت تعجب سے دیکھا تھا۔

"کیا تمہیں بھی اپنے ہاتھ میں یہ انگوٹھی دیکھ کر اتنی ہی خوشی ہو رہی ہے اذما جتنی مجھے۔

"ایک نظراس کی انگلی میں جگمگاتی انگوٹھی پرڈالتے ہوئے اس نے پوچھا۔

اسے اپنے جذبات کاالفاظ کے ذریعے اظہار کرنا

نہیں آتا تھا۔اس لمحہ اسے اپنی یہ کمزوری بہت شدت سے محسوس ہوئی۔ کبھی کبھی اظہار کرنااور اظہار سننا اچھا لگتاہے مگروہ اپنی خود کو چھپانے والی عادتوں کا کیا کرتی۔ بس خالی گردن ہلادینے پراس نے اکتفا کیا۔ مگر وہ اس کے خاموش رہنے پر ناراض ہونے کی بجائے مسکرایا تھا۔

"تمہارا یہی انداز مجھے اچھا لگتاہے۔ تم عام لڑکیوں سے مختلف ہو۔ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو ایک دم چھا جاتے ہیں۔ ہر دل کو فتح کر لیتے ہیں۔ بلکہ بہت آہستہ آہستہ غیر محسوس انداز میں لوگوں کو اپنا عادی بنادیتی ہو۔ اتنا آہستہ کہ جو تمہاراعادی ہورہاہوتاہے اسے خود پتا نہیں چلتا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں تمہارے لیے اس انداز میں کچھ محسوس کرنے لگاہوں۔ مگر جیسے جیسے فائنل ائیر کے ایگزیمز نزدیک آنے لگے میرا دل شدّت سے تمہاری طرف کھنچنے لگا۔

تب میں نے بڑی سنجیدگی سے اپنا تجزیہ کیااور پتاہے اس تجزیے میں میں نے کیاجواب حاصل کیاہے۔

وہ بولتے بولتے چپ ہواتواذما سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ کہ اذما مقصود بڑی خاموشی سے مجھے اپنا عادی بنا گئی ہے۔اب اس مغروراور ضدی لڑکی کے علاوہ میں کچھ اور سوچ نہیں سکتا۔" وہ مسکراتے ہوئے بول رہاتھا۔

"میں نہ تومغرور ہوں اور نہ ضدی۔"کچھ برامانے والے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"اوروں کے ساتھ شاید نہ ہو۔ میرے ساتھ تو تھیں۔ڈاکٹراشفاق سے جاکر کس طرح میری شکایت کی تھی "سر! یہ میرے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتے۔"اور پھر سارے اسائنمنٹ کے دوران مجھ سے ناراض منہ پھلائے ہوئے رہی تھیں۔اب وہ ساری باتیں یاد آرہی ہیں تو میں محسوس کررہاہوں کہ تمہارا وہ ناراضی بھرا

انداز ڈاکٹر اشفاق کے کمرے میں میری شکایت کرتے وقت تھا، مجھے بڑا اچھا لگا تھا۔ بڑا سیدھا اور سچا سا۔ تم میں بناوٹ نہیں۔ تمہاری خوشی، تمہاری غم، تمہارا غصہ سب تمہارے چہرے پر فوراً ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دل کے بہت اچھے ہوتے ہیں۔

بہت کھرے اور شفاف۔ بغیر کسی بناوٹ، دھوکے اور دکھاوے کے۔ وہ جو نظر آرہے ہوتے ہیں ویسے ہی حقیقت میں ہوتے بھی ہیں اور مجھے تمہاری اسی سادگی نے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔"

اپنے لیے یہ جملہ سننا کتنا اچھا لگ رہاتھا۔

تعریف تواس کی اب اس سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے کی تھی مگر جو بات اس تعریف میں تھی وہ کچھ انوکھی ہی تھی۔ دل کو بے پایاں مسرت بخشنے والی اور وہ قدرے مغروراور اکھڑ سا دانیال اس وقت کتنا مختلف سالگ رہاتھا۔ چہرے پر مسکراہٹ لیے اس کی طرف دیکھتا ہوا۔

سیڑھیوں کے پاس سے ڈاکٹر اشفاق گزرتے نظر آئے تو وہ دونوں اٹھ کر ان کے پاس آ گئے، ان دونوں کے سلام کا انہوں نے بڑی خوش دلی سے جواب دیا۔

"بہت مبارک ہو بھئی" انہوں نے اذما کو مخاطب کیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔

"دانیال نے تو منگنی کی خوش خبری سناتے ہوئے مٹھائی کھلادی تھی۔ تمہاری طرف سے مٹھائی ڈیو ہے۔" وہ ان کے بے تکلّفانہ انداز پر حیران ہورہی تھی۔ وہ اتنے سخت گیر استاد اب اتنی بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے، شاید اس لیے کہ اب وہ لوگ اسٹوڈنٹ لائف سے نکل گئے تھے، سامنے سے ارقم اور سجاد غالباً ان لوگوں کو ڈھونڈتے ہوئے ہی اس طرف آئے تھے۔

"سر! یہ کپل بنوانے کا ففٹی پرسنٹ کریڈٹ آپ کو جاتاہے۔" ارقم نے ان دونوں کی طرف اشارا کر کے ان سے کہا تھا۔ وہ اس کی بات پر کھل کر مسکرائے۔

"مجھے بھی اپنا بنایا ہوا یہ کپل بہت اچھا لگ رہا ہے۔" وہ سر جھکائے کچھ ہچکچائی ہوئی کھڑی تھی۔ ڈاکٹر اشفاق اس کے شرمائے ہوئے انداز پر محفوظ سے ہوتے آگے بڑھ گئے تھے۔

"چلو چیئر مین آ گئے ہیں۔" وہ لوگ یقیناً اسی وجہ سے دانیال کو ڈھونڈنے اٹھے تھے۔

"تم ہوناں ابھی؟" دانیال نے ان لوگوں کے ساتھ جانے سے پہلے اس سے پوچھا تو اس نے گردن ہلا دی تھی۔

اب وہ اپنے گروپ کے افراد کے تلاش کر رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ لوگ Soil Mechanics کی لیب کے باہر بیٹھے ہوئے مل گئے۔

"کہاں تھیں، ہم لوگ تمہیں ڈھونڈ رہے تھے۔"

مزنا کو اس نے صبح اپنے آنے کا فون پر بتا دیا تھا، اسی لیے سب اس کے دل وجان سے منتظر تھے۔ کچھ دیر منگنی کے فنکشن، تصویروں اور مووی وغیرہ سے متعلق باتیں کر کے وہ لوگ کام کی باتوں پر آ گئے تھے۔

وہ وہاں سے اٹھنے کا کوئی معقول سا بہانہ سوچ رہی تھی، اگر سچ سچ بتا دیتی کہ اسے چیئر مین کے آفس میں کیا کام تو لازمی سب کے مذاق کا نشانہ بنتی۔ گھڑی دیکھ کر اتنا اندازہ تو ہو رہا تھا کہ اب تک وہ لوگ فارغ ہو چکے ہوں گے۔ مگر جب کچھ ہی دیر وہ تینوں اس طرف آتے نظر آئے تو وہ کسی بھی بہانہ بازی سے بچ گئی۔

"کیسا ہوا وائیوا؟" اس کے گروپ کے چاروں لڑکوں نے ہم زبان ہو کر ان لوگوں سے پوچھا۔

"بہت اچھا۔ جتنا اچھا ہم سوچ رہے تھے اس سے بھی کچھ زیادہ ہی اچھا۔" سجاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"یعنی پروجیکٹ میں پورے نمبر بھی پکے ہی ہیں۔

گویا پہلی پوزیشن اس بار بھی دانیال ہی کی آ رہی ہے۔" سیف بولا۔

"دعا کرو۔" دانیال نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہارے لیے تو خیر ہم لوگ کبھی دعا نہ کریں۔"

جب بغیر دعاؤں کے تم پوزیشن لے اڑتے ہو تو دعاؤں کے بعد تو پتا نہیں کیا کیا معرکے سر انجام دے ڈالو گے۔" وقار ہنستے ہوئے بولا۔ وہ تینوں بھی اس کی بات پر ہنستے ہوئے ان لوگوں کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

"ویسے آپ دونوں نے اپنی منگنی کی خوشی میں ہم لوگوں کو ٹریٹ نہیں دی اور یہ دوستوں کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے۔" مزنا نے دانیال کو مخاطب کیا۔

ازما کے حوالے سے اتنا تو ہو گیا تھا کہ اب اس "اکڑو" سے یونیورسٹی کے آخری دنوں میں دوستانہ انداز میں بات چیت ہونے لگی تھی۔

"ٹریٹ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جب آپ لوگ چاہیں اور جہاں چاہیں۔" وہ بغیر کسی اعتراض کے فوراً مان گیا۔

"ایسا موقع روز روز نہیں ملتا۔ کوئی اچھی سی جگہ سوچیں۔ ہماری طرح پاکٹ منی پر گزارا تھوڑی کر رہا ہے یہ۔ انکل سے ہر پروجیکٹ کا ٹھیک ٹھاک معاوضہ وصول کرتا ہے۔"

ارقم نے مزنا کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ پھر اس کے بعد کافی دیر تک سب ہی مختلف جگہوں پر جانے کی تجاویز پیش کرتے رہے تھے جگہ پر اتفاق ہوا تو پھر دن اور وقت پر بحث ہونے لگی۔ خاصی دیر تک مذاکرات کرنے کے بعد دن، جگہ اور ٹائم طے ہو پائے تھے۔

***

تیار ہونے کے بعد وہ خود کو ہر زاویہ سے آئینہ میں دیکھ رہی تھی۔

"تم کہو تو میں لکھ کر دے دوں کہ تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔" بھابھی نے اس کے تیسری مرتبہ "میں ٹھیک لگ رہی ہوں ناں" پوچھنے پر تنگ آکر کہا تھا۔

آج وہ بہت دل لگا کر بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ پرپل کلر کا انگرکھا چوڑی دار پاجامہ اور چنری کا دوپٹہ۔ سوٹ سے مناسبت رکھتی جیولری اور کھلے ہوئے بال۔ دانیال نے رجاء اور طوبیٰ کو بھی انوائیٹ کیا تھا مگر انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کرلی تھی کہ آپ فرینڈز کی گیدرنگ میں ہم لوگوں کا کیا کام۔ "دانیال نے اسے گھر سے پک کیا تھا۔ وہ اس کے برابر گاڑی میں بیٹھ گئی تو اس نے طوفانی انداز میں گاڑی بڑھائی تھی۔

"لیٹ ہوگئے ہم لوگ۔ اگر وہ لوگ ہم سے پہلے آگئے تو کتنی بری بات ہوگی۔ میزبان کو تو پہلے موجود ہونا چاہیے۔" وہ ایک نظر اس پر ڈال کر سنجیدگی سے بولا۔

باقی کا سارا راستہ خاموشی سے کٹا تھا۔ وہ یوں ڈرائیو کر رہا تھا جیسے اس کی فلائیٹ مِس ہونے والی ہے۔ وہ اپنی تیاری کی اس بے قدری پر اندر ہی اندر جھنجھلائی تھی۔ تعریف تو دور کی بات اس نے تو ایک ستائشی نگاہ بھی اس پر نہیں ڈالی تھی۔

وہ لوگ ہوٹل پہنچے تو منیب، سجاد اور وسیم پہلے سے آئے بیٹھے تھے۔ حسبِ توقع انہوں نے دانیال کو تھوڑا بہت برا بھلا کہا اور پھر باتیں کرتے ہوئے باقی لوگوں کا انتظار شروع کردیا۔ اس کا دل اندر ہی اندر بُجھ سا گیا تھا، جتنی پر جوش وہ اس لنچ کے لیے تھی، اب اتنی ہی اکتائی ہوئی بیٹھی تھی۔ کچھ ہی دیر میں مزنا، فوزیہ، وقار اور پھر ارقم اور سیف بھی آگئے تو باتوں اور طوفان بدتمیزی کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔

"دیکھو، یہ یونیورسٹی کا کوریڈور نہیں ہے۔ جو تم گلے پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہے ہو۔ ہر جگہ کے کچھ ایٹی کیٹس ہوتے ہیں۔" دانیال نے آس پاس کی میزوں پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے ان لوگوں کو سمجھانا چاہا۔ صرف وہ

تینوں لڑکیاں ہی شرافت سے نیچی آواز میں بول رہی تھیں۔ دانیال کے ٹوکنے پر باقی سب نے بھی اپنے والیوم تھوڑے کم کرلیے۔

"اذما! یہ پران ٹیمپورا ضرور چکھنا، بہت مزے کا ہے" فوزیہ نے چٹخارے لیتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

دانیال کو کسی قسم کی میزبانی کا مظاہرہ نہیں کرنا پڑ رہا تھا سب ہی بے تکلفی سے کھا رہے تھے سوائے اس کے۔

"وہ سب کی طرف متوجہ ہے، سب کو اہمیت دے رہا ہے اور وہ بھی بس اتنی ہی توجہ کی مستحق ہے جتنے باقی سب۔ کیا وہ ایک ستائشی نگاہ کی بھی حقدار نہیں تھی۔"

اس سے بھی زیادہ اسے خود پر غصہ آرہا تھا، کیا وہ اس کی تعریفوں کے لیے اتنی بے قرار تھی۔ سب کے ساتھ باتیں کرتا دانیال دو ایک بار اس سے بھی مخاطب ہوا تھا۔

واپسی میں وہ جاتے وقت والی طوفانی رفتار کا مظاہرہ نہیں کر رہا تھا۔ گاڑی میں میوزک بھی اس کی پسند کا لگا ہوا تھا۔

ہم تم ہوں گے بادل ہوگا

رقص میں سارا جنگل ہوگا

وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی اس میوزک کو بھی انجوائے نہیں کر پا رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ خیال بھی تھا کہ اسے اس کی کسی سوچ کی خبر نہ ہونے پائے اسی لیے چہرے پر موجود تاثرات کو نارمل رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو اس نے چونک کر دانیال کی طرف دیکھا۔ وہ اسے بغیر کچھ کہے گاڑی سے اتر گیا اور

سامنے موجود فلاور شاپ میں گھس گیا۔

وہ خاموشی سے بیٹھی اس کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو ہاتھوں میں سرخ گلابوں اور وائٹ للی سے سجا ایک بکے تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد وہ پورا کا پورا اس کی طرف گھوم گیا اور مسکراتے ہوئے گلدستہ اس کی طرف بڑھایا۔

"""میں نے کہیں پڑھا تھا کہ پھول جذبات کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہوتے ہیں۔ سو آج میں بھی اپنے جذبات کے اظہار کے لیے ان ہی کا استعمال کر رہا ہوں۔ دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی کو پھولوں کا تحفہ دے کر یہ بتانے کے لیے کہ یہ لڑکی میرے لیے ساری دنیا میں سب سے اہم ہے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے اور صرف پرپل کلر میں ہی نہیں بلکہ ہر رنگ اور ہر روپ میں مجھے اچھی لگتی ہے۔"

وہ جو بڑے آرام سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی ایک دم سٹپٹا گئی۔ اس کے دل میں موجود بات وہ کس طرح جان گیا، وہ سر جھکا کر کچھ کنفیوز سی بیٹھ ہوئی تھی۔ وہ اس کی گھبرائی ہوئی نروس سی شکل دیکھ کر ہنس پڑا۔

"تم مجھ سے اپنی کوئی بھی فیلنگ کبھی بھی نہیں چھپا سکتیں۔ تمہارے گاڑی میں بیٹھتے ہی مجھے پتا چل گیا تھا کہ تم اپنی خوب ساری تعریفیں مجھ سے سننا چاہتی ہو۔"

"پتا تھا مجھے، تم جیسی مغرور اور انا پرست لڑکی یہی جواب دے گی۔ الزام مجھ پر لگتا ہے کہ میں بہت پراؤڈ ہوں۔ یونیورسٹی میں خوامخواہ تمہارے ساتھ بن بن کر بہت پوز کر کے بات کرتا تھا اور خود جو ابھی تک بھی میرا اور تمہارا کر رہی ہو تو وہ کوئی بات ہی نہیں ہے۔" وہ بہت خفگی سے گویا ہوا۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے دانیال!" اس نے بولنا چاہا مگر دانیال نے اس کی بات کاٹ دی۔

"پاپا سے بات کرنے کے بعد ہی میں تم سے بات کر رہا ہوں اور یہ تم پر کوئی احسان یا غیر معمولی سلوک نہیں۔ پاپا بہت دنوں سے مجھ سے ایک اسٹرکچرل انجینئر اپائنٹ کرنے کے لیے کہہ رہے تھے اور تم میں کس چیز کی

کمی ہے جو تم پر احسان کیا جائے گا۔ مجھے تمہارے ٹیلنٹ اور قابلیت کا اچھی طرح معلوم ہے۔ مجھے پتا ہے تم محنتی ہو، اپنے کام سے مخلص ہو ہمارے رشتے کو ایک طرف رکھ کر اگر صرف کاروباری نقطۂ نظر سے دیکھوں تو مجھے پتا ہے کہ تم ہماری فرم کے لیے بہت اچھی ثابت ہو گی اور اب بغیر کوئی بحث کیے یہ بتاؤ کہ تم کل کس وقت آ رہی ہو۔ تاکہ میں آفس میں اس وقت موجود رہوں۔" وہ دانیال کے دوٹوک اور بہت مان بھرے انداز پر اپنا انکار قائم نہیں رکھ پائی تھی۔

"میں امی اور بابا سے بات کر لوں پھر تمہیں بتاؤں گی۔" آخر کار اپنی طرف سے اس نے رضامندی دے دی تھی اور ابھی اس نے کسی سے بات کی بھی نہیں تھی کہ انکل نے خود فون کر لیا۔ انہوں نے بابا سے اس کی اپنے ہاں جاب کرنے کی اجازت مانگی تھی اور انہیں ظاہر ہے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ بعد میں انکل نے اس سے بھی بات کی تھی۔

"بہت دل دکھایا تم نے میرا۔ تم ابھی تک ہمیں پرایا سمجھتی ہو۔ بیٹا! یہ فرم تمہاری ہے۔ تمہیں اور دانیال کو مل کر اسے آگے بڑھانا ہے۔ جو میں نہیں کر پایا وہ تم لوگوں ہی نے تو کرنا ہے۔"

دانیال نے یقیناً انہیں اس کا انکار کا بتا دیا تھا۔ وہ ان کی اپنائیت بھرے شکوے پر دل بھر کر شرمندہ ہوئی اور ان سے کل آنے کا وعدہ کر لیا۔

* * * *

نہ کوئی روایتی قسم کا انٹرویو ہوا تھا، نہ سیلری پر کسی قسم کی بحث۔ بس اسے اس کا کمرہ اور میز دکھا دی گئی کہ اس پر تشریف رکھیے اور کام شروع کر دیجیے۔ دانیال نے خود لے جا کر اسے سارے اسٹاف سے ملوایا۔ سب ہی کو معلوم تھا کہ وہ کوئی عام امپلائی نہیں اسی لیے سب کا انداز بڑا محتاط سا تھا۔

انکل کے بعد وہاں صابر دارنی سینئر انجینئر تھے اور اس فرم کو اسٹیبلش کرنے میں انکل کے ساتھ شامل رہے

تھے۔ ظاہر ہے ان کے اختیارات کا دائرہ خاصا وسیع تھا اور وہ اپنے اختیارات کا ضرورت سے زیادہ استعمال بھی کرتے تھے۔ ابتدائی چند دنوں ہی میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ انکل کے برخلاف وہ بہت سخت گیر اور روایتی قسم کے جلاد ٹائپ کے باس تھے، خاص طور پر لڑکیوں کے ساتھ ان کا انداز ذرا زیادہ ہی سخت تھا۔

انجینئرز میں وہ واحد لڑکی تھی۔ آرکیٹکٹس میں سب سے سینئر مسز سلطانہ اختر تھیں اور انہیں یہاں جاب کرتے پندرہ سال ہو چکے تھے۔ جونیئرز پر رعب قائم رکھنے کے لیے وہ بھی سب سے اکثر خشک اور پروفیشنل انداز میں بات کیا کرتی تھیں۔ اسے ملا کر وہاں کل چار لڑکیاں تھیں۔ بشریٰ صدیق ریسیپشنٹ اور ٹیلی فون آپریٹر تھی۔ حجاب رضوی آرکیٹکٹ تھی اور اسے یہاں جاب کرتے دو سال ہوئے تھے اور پھر امبر علیم تھی جو آرکیٹکچرل ڈرافٹنگ کیا کرتی تھی۔ بشریٰ اور حجاب بہت زندہ دل اور ہنسنے ہنسانے والی لڑکیاں تھیں جبکہ امبر کچھ سنجیدہ اور خاموش سی لڑکی تھی۔

یہاں جاب کرنے والی تمام لڑکیوں میں امبر ہی وہ واحد لڑکی تھی جو ضرورتاً" جاب کر رہی تھی۔ بہت کم عمری میں ہی معاشی مسائل کا شکار ہو جانے کے سبب وہ اپنی عمر سے زیادہ سنجیدہ اور میچور تھی۔ شروع کے دو چار دنوں کے پر تکلف انداز کے بعد اس کی خود بخود ہی سب لڑکیوں سے بہت اچھی دوستی ہو گئی

تھی۔ وہ اور حجاب ایک ہی کمرے میں بیٹھتی تھیں۔ حجاب ہی کے ذریعے اسے اسٹاف میں شامل تمام لوگوں کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہوئی تھیں۔

سب سے دلچسپ شخصیت یہاں غالب کی تھی۔ جو انکل کے کسی دوست کا بیٹا تھا۔ اسے یونیورسٹی میں بہت مرتبہ اس نے دانیال کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ ان لوگوں سے جونیئر تھا، تھرڈ ایئر سول انجینئرنگ کے ساتھ ساتھ وہ یونیورسٹی کے بعد کا وقت یہاں گزارا کرتا تھا اور مزے کی بات یہ تھی کہ ایسا وہ اپنی خوشی سے نہیں بلکہ اپنے ڈیڈی کے جبر و قہر کی وجہ سے کر رہا تھا۔

بقول اس کے اس کے والد بزرگوار کو خوامخواہ وہم ہو گیا تھا کہ وہ یونیورسٹی کے بعد کا وقت آوارہ گردیوں اور فضول قسم کی دوستیوں میں برباد کرتا ہے، سو انہوں نے بیٹے کو نکیل ڈالنے کو اپنے دوست کے پاس چھوڑ رکھا تھا۔ انکل ہوں نہ ہوں، دانیال اس پر بہت سخت چیک رکھا کرتا تھا۔

وہ انکل، دانیال اور صابر صاحب سے ڈرتا بھی تھا۔ باقی کسی کو وہ کچھ خاص اہمیت نہیں دیتا تھا۔ کام سے اس کی جان جاتی تھی اور یہاں سب اسے ہر لمحہ کام کرتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ حجاب کے ساتھ اس کی بہت دوستی تھی۔ اکثر کام سے پیچھا چھڑا کر وہ ان لوگوں کے کمرے میں حجاب کے پاس آ کر بیٹھ جایا کرتا تھا اور پھر اس کی نہ ختم ہونے والی بے تکی باتیں شروع ہو جاتیں۔ حجاب ہی سے اسے پتا چلا تھا کہ محترم امبر پر دل و جان سے عاشق ہیں مگر وہ اسے لفٹ نہیں کرواتی۔

اپنے ڈیڈی اور انکل کے ظلم و ستم کے ساتھ ساتھ اس کے پابندی سے آفس آنے کی ایک بڑی وجہ غالباً" امبر بھی تھی۔ امبر کا سارا دن ڈرائنگ سیکشن میں ڈرائنگز بناتے گزرا کرتا تھا اور غالب آتے جاتے ڈرائنگ سیکشن کا ایک آدھ چکر ضرور لگا لیا کرتا تھا۔ موقع محل کے حساب سے سنانے کے لیے اس نے غالب کے بے شمار اشعار یاد کر رکھے تھے۔ حجاب کا خیال تھا کہ غالب کی روح اپنے اشعار کی اس توہین پر تڑپتی ہو گی۔ اپنی میز پر شیشے کے نیچے دبے بہت سے وزیٹنگ کارڈز وغیرہ کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے بارے میں ایک تعارفی شعر بھی لکھ کر رکھا ہوا تھا۔

ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
لڑکا تو یہ اچھا ہے پر بدنام بہت ہے

سب سے زیادہ ڈانٹ اسے دانیال سے پڑا کرتی تھی۔ جو اس کی لاپروائیوں سے عاجز رہا کرتا تھا اور ہر بات ڈانٹ کھانے کے بعد بڑے سکون سے کہا کرتا۔

غالب برا نہ مان جو دانیال برا کہے
ایسا بھی ہے کوئی کہ سب اچھا کہیں جسے

امبر کے لیے تو وہ پورا دن دیوان غالب حفظ کرنے کے لیے تیار تھا مگر وہ سننے پر آمادہ تو ہوتی۔ اسے دیکھتے ہی اس کا پارہ چڑھ جایا کرتا تھا۔ اکثر وہ اسے ڈرائنگ سیکشن میں فارغ بیٹھ کر اوٹ پٹانگ باتیں کرتا دیکھ کر وہاں سے نکال دیا کرتی تھی اور پھر وہ ان لوگوں کے کمرے میں آ کر پڑھا کرتا۔

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تھی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

بعض روایتیں یہاں کی بہت اچھی تھیں۔ مثلاً" یہ کہ سارا اسٹاف لنچ اکٹھے کیا کرتا تھا۔ سوائے انکل، صابر صاحب اور مسز اختر کے وہ سب لوگ ایک ساتھ لنچ کرتے تھے۔ جو ساتھ لنچ لے کر آیا ہے وہ بھی، جس نے کہیں سے باہر سے منگوایا ہے وہ بھی۔ سب کی چیزیں کھول پر میز پر رکھ دی جاتیں اور پھر بڑے آرام سے دوستانہ ماحول میں کھانا کھایا جاتا۔ جن لوگوں سے اس کا واسطہ نہیں پڑتا تھا ان سے بھی وہ ساتھ لنچ کرنے کی وجہ سے واقف ہو گئی تھی۔

کبھی کبھار کسی خاص موقع پر انکل وغیرہ بھی ان لوگوں کے ساتھ لنچ میں شریک ہو جایا کرتے تھے۔ انکل کی طرح دانیال کا لنچ بھی گھر سے آیا کرتا تھا اور وہ روز ہی اس سے کھانے کے لیے بی اصرار کیا کرتا تھا۔ وہ بلا کی ڈائٹ کونشس تھی۔ اس کے کہنے پر تھوڑا بہت چکھنے کے بعد وہ سوائے اپنے لائے ہوئے سینڈوچ کے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاتی تھی۔

"شروع شروع میں میں بھی سینڈوچ لاتی تھی۔ پھر ان لوگوں نے میرا مذاق اڑانا شروع کر دیا تو اب میں سالن گھر سے لے کر آتی ہوں اور روٹی یہاں سے منگوا لیتی ہوں۔" حجاب نے اس کے سینڈوچ پر تبصرہ

کرتے ہوئے کہا۔

ڈیڑھ سے ڈھائی کے لنچ ٹائم کے دوران ان چاروں لڑکیوں کو باتیں کرنے کا موقع بھی بڑے آرام سے مل جایا کرتا تھا۔ اس کے اور حجاب کے کمرے میں واش روم نہیں تھا، اسی لیے وہ نماز پڑھنے دانیال کے کمرے میں آ جایا کرتی تھیں اور نماز پڑھنے مین کتنی دیر لگتی ہے۔ باقی کا وقت کمرے کا دروازہ بند کر کے خوب باتیں کی جاتیں۔ کمرہ کی آفر دانیال نے اس کے آنے کے بعد کی تھی ورنہ اس سے پہلے ان لوگوں کو اپنے کمرے ہی میں نماز پڑھنی پڑتی تھی اور وضو کے لیے کامن واش روم استعمال کرنا پڑتا تھا۔

بشریٰ کا خیال تھا کہ اذما کے آنے سے انہیں صرف ایک یہی فائدہ حاصل ہوا ہے۔ نماز کے بعد سب کے بیگز میں سے میک اپ کا ڈھیر سارا سامان برآمد ہونا شروع ہو جاتا تھا۔ خاص طور پر بشریٰ کے جو میک اپ کے بغیر رہنے کو گناہ سمجھتی تھی۔ خود وہ فیس واش، ہیئر برش اور لب اسٹک ساتھ لاتی تھی۔ اس سے زیادہ میک اپ وغیرہ کے جھنجھٹ میں وہ کبھی نہیں پڑی تھی۔ اکثر کھانا لگ جاتا تو عمران جو یہاں پیون تھا، انٹر کام پر کھانا لگ جانے کی اطلاع دیا کرتا تھا۔ کبھی غالب تنگ آ کر دروازہ پیٹ ڈالتا تھا۔

"شکایت کروں گا آپ لوگوں کی دانیال بھائی سے۔ نماز کے بہانے کمرے میں بیٹھ کر باتیں کی جاتی ہیں اور باتیں بھی کیا یقیناً" غیبتیں ہی کرتی ہوں گی۔ خواتین اس نیک کام کے علاوہ اور کر بھی کیا کر سکتی ہیں۔"

"آپ کے جملوں کا ہم برا نہیں مانیں گے۔ اس لیے کہ یہاں خواتین کوئی بھی نہیں ہے۔ آپ کی اطلاع کے لیے ہم چاروں لڑکیاں ہیں۔" حجاب بے فکرے پن سے بولتی اسے چڑایا کرتی۔

لڑکیوں کے لیے آفس کی طرف سے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت موجود تھی۔ آفس ٹائمنگز صبح نو سے شام پانچ بجے تک تھے مگر جن دنوں کوئی خاص پراجیکٹ چل رہا ہوتا تو واپسی میں دیر تک رکنا پڑتا تھا۔ انکل کوشش کرتے تھے کہ لڑکیوں کو دیر تک نہ روکیں۔ دیر تک رکنے سے غالب جتنا چڑا کرتا تھا اتنا ہی انکل، دانیال یا

صابر صاحب کے ذمے کوئی نہ کوئی کام لگا کر اسے روک لیا کرتے تھے۔بقول انکل کے مہمان آتا اپنی مرضی سے اور جاتا میزبان کی مرضی سے ہے۔غالب ان جملوں پر پیچ وتاب کھا کر رہ جاتا تھا۔

* * *

وہ اپنی ٹیبل کے کونے میں رکھے کمپیوٹر اور پرنٹر کے ساتھ مصروف تھی جب دانیال کمرے میں آیا۔

"تم ابھی تک گئیں نہیں؟"اس کی میز کے آگے سے کرسی گھسیٹتا وہ تھکے تھکے انداز میں بیٹھ گیا۔

"ہاں۔بس یہ ڈیزائنگ کا کام تھوڑا سا رہ گیا تھا،وہ کمپلیٹ کر کے ہی جاؤں گی۔"وہ کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے بولی۔

"تم سناؤ کہاں سے آرہے ہو۔بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔"کام کرتے کرتے اس نے ایک نظر دانیال پر ڈالی۔

"میں گیا تھا سائٹ دیکھنے۔پھر سائٹ دیکھنے اور کلائنٹ سے بات چیت کرنے میں خاصا وقت لگ گیا۔لیکن جب میں دوپہر میں لنچ سے پہلے وہاں جانے کے لیے نکلا تھا تم تب بھی اتنی ہی مصروف تھیں اس کام میں جتنی اب۔"وہ کرسی پر سے اٹھ کر اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا اور اس کے نکالے پرنٹس کو دیکھنے لگا۔

"چار دن رہ گئے ہیں سبمیشن جانے میں۔صابر صاحب آج سارے اسٹاف پر بہت ناراض ہو رہے تھے۔مجھے انہوں نے براہ راست تو کچھ نہیں کہا لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے کام کی رفتار سے مطمئن نہیں۔اسی لیے آج اسے مکمل کر کے جانا چاہتی ہوں تاکہ کل ڈیزائنگ کمپلیٹ دیکھ کر وہ خوش ہو جائیں۔"اس نے گردن موڑ کر دانیال سے کہا۔

"اب تمہیں یہاں جاب کی آفر اس لیے بھی نہیں کی تھی میں نے کہ شام کے سات بجے تک بٹھا کر تم سے کام لیا جایا کرے گا۔لڑکیاں تو سب جا چکیں۔بند کرو اسے، باقی کام کل کر لینا۔"وہ کچھ ناراضی بھرے انداز میں

کہتا خود ہی کی بورڈ پر ہاتھ چلاتا کمپیوٹر آف کرنے لگا۔وہ اس کے فیصلہ کن انداز پر چپ ہو گئی تھی۔

"چلو میں تمہیں گھر ڈراپ کر دوں۔"وہ کمپیوٹر اور پرنٹر سے فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم اتنے تھکے ہوئے آئے ہو،میں قاسم بھائی کو فون کر دیتی ہوں۔۔وہ آجائیں گے مجھے لینے۔"قاسم بھائی کو بلانے کا تو وہ پہلے سے سوچے بیٹھی تھی۔وہ اپنی تھکن کے بارے میں اس کی فکرمندی پر مسکرایا۔

"تمہارے لیے کچھ کرتے ہوئے میں کبھی بھی نہیں تھک سکتا۔"وہ اس کی طرف جھکتے ہوئے بہت سنجیدہ لہجے میں بولا۔بے اختیار اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"حیرت ہے اتنا تھکنے کے بعد تم اس طرح فلمی ڈائیلاگ کیسے بول سکتے ہو۔"دانیال نے اسے گھور کر دیکھا۔وہ مسکراتے ہوئے بیگ کندھے پر ڈال کر اپنی سیٹ سے اٹھ گئی تھی۔

چلتے چلتے دانیال نے ایک نظر ڈرائنگ سیکشن پر ڈالی تھی۔تین چار ڈرافٹس مین ڈرائنگ بورڈز پر جھکے کام میں مصروف تھے،ایک اسٹول پر غالب بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ہلکے سروں میں گانے چل رہے تھے۔آفس ٹائمنگز کے بعد رکنے والوں کے لیے تفریح کی اجازت تھی کہ ہلکی آواز میں گانے سن لیں۔یہ اجازت انکل سے غالب نے حاصل کی تھی۔وہ موسیقی کا اتنا شوقین تھا کہ لگتا تھا کہ تان سین کے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔

"صابر انکل کو عادت ہے بلاوجہ روک ٹوک کرنے کی۔تم کیوں اتنی کونشیس ہوتی ہو۔تم یہاں کوئی ملازم نہیں ہو۔جو بلاوجہ کسی سے ڈرو۔وہ اور کسی کو کچھ بھی کہیں، تمہیں کبھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔"راستے میں دانیال نے اس سے کہا۔

"پھر بھی مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی دانیال کہ کوئی مجھے ٹوکے۔اگر کسی وقت انہوں نے یا کسی اور نے کام کے حوالے سے کچھ کہا تو مجھے بہت برا لگے گا۔میں ایسا موقع کیوں آنے دوں کہ کوئی مجھے کچھ کہے۔"وہ وضاحتی انداز میں بولی۔

اس نے اکثر دیکھا تھا۔ صابر صاحب ذرا سی بات پر کسی کو بھی بے نقط سنا دیا کرتے تھے۔ آج نجم جوان کا پی۔ اے تھا۔ کسی وجہ سے نہیں آیا تھا تو انہوں نے امبر کو اپنے کمرے میں بلوا کر اسے ڈکٹیشن دے کر مختلف چیزیں ٹائپ کروائی تھیں اور پرنٹ لیتے وقت اس سے ایک پرنٹ غلط نکل گیا تو انہوں نے صرف ایک لیٹر ہیڈ ضائع ہو جانے پر اسے بری طرح ڈانٹ دیا تھا۔

اس کے ساتھ گو وہ اچھی طرح بات کرتے تھے، مگر اسے کبھی بھی کھلے دل سے کچھ سکھانے پر آمادہ نہیں ہوئے تھے۔ وہ اتنے سینئر اسٹرکچرل انجینئر تھے۔ پاکستان سے باہر کام کرنے کا بھی ان کے پاس وسیع تجربہ تھا مگر نئے آنے والوں کو کچھ سکھانا اور وہ بھی خاص طور پر کسی لڑکی کو۔۔۔۔ وہ بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ ان سے کچھ سمجھنے یا پوچھنے جاتی تو وہ باتوں میں اسے ٹال دیا کرتے۔

"اگر نئے آنے والے فوراً سب کچھ سیکھ گئے تو ان کی مارکیٹ ویلیو کا کیا ہو گا۔" حجاب جل کر کہتی تھی۔

اسے اکثر کوئی مسئلہ ہوتا تو یا دانیال کے ساتھ بیٹھ کر اسے ڈسکس کرتی یا پھر انکل کے پاس چلی جاتی جو بڑے پیار سے منٹوں میں ساری بات سمجھا دیا کرتے تھے۔

دانیال نے پڑھنے کے ساتھ ساتھ سارا وقت یہاں بھی کام کیا تھا۔ اس لیے اسے فیلڈ سے متعلق بہت اچھی معلومات تھیں۔ وہ ابھی صرف کتابوں تک محدود تھی جبکہ وہ چار سال سے اس فیلڈ میں گھسا کتابوں میں پڑھی بہت سی چیزوں کو اپلائی کر چکا تھا۔

اسے گیٹ پر اتار کر خدا حافظ کہتا وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

صبح وہ حجاب وغیرہ کے ساتھ آفس آئی تو دانیال کو اپنی میز پر بیٹھا دیکھ کر چونک گئی۔ حجاب نے بھی اسے حیرت سے دیکھا تھا۔ وہ میز کے قریب آئی تو دانیال کو وہی کام کرتا ہوا پایا جو کل شام میں ادھوری چھوڑ گئی تھی۔

"میں نے سوچا، پریشانی میں تمہیں ساری رات نیند نہیں آئی ہو گی، اس لیے جلدی آ گیا تھا تاکہ تمہارا مسئلہ

حل کر سکوں۔ ہو گیا تمہارا سارا کام۔ بس اب ان صفحات کو فائل میں لگاؤ اور صابر انکل کو دے آؤ۔" وہ اس کی طرف مسکراتے ہوئے بولا۔

اس نے ایک نظر اپنی دراز میں کچھ ڈھونڈتی حجاب پر ڈالی۔ وہ اپنے کام میں مگن تھی، بظاہر تو اس کا دھیان نہیں لگ رہا تھا ان دونوں کی طرف۔

"لنچ کے بعد تمہیں میرے ساتھ ایک سائٹ پر چلنا ہے۔ تیار رہنا۔" وہ اس سے کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

کبھی کبھی کسی اپنے کا ایک چھوٹا سا اپنائیت بھرا انداز دل کو کس طرح خوش کرتا ہے۔۔۔۔ وہ اس کیفیت کو پوری شدّت سے محسوس کر رہی تھی۔ وہ جس طرح غیر محسوس انداز میں اس کا خیال رکھتا تھا۔ اس کی فکر کرتا تھا' کتنا اچھا لگتا تھا اس کا یہ انداز۔

حالانکہ حجاب وغیرہ کا متفقہ خیال تھا کہ وہ دونوں عام منگنی شدہ جوڑوں سے بہت مختلف ہیں۔ ان کے درمیان کچھ خاص قسم کی نگاہوں اور جملوں کا تبادلہ نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ اسی انداز میں بات ہوتی ہے جیسے باقی تمام کولیگز کے ساتھ۔ اب وہ حجاب کو کیا بتاتی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے کتنے اہم ہیں۔

پھر لنچ کے بعد جب وہ دانیال کے ساتھ سائٹ پر جا رہی تھی تو اس نے صبح کے واقعہ کے حوالے سے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہا۔

"یہ اتنی فارمل گفتگو مت کیا کرو میرے ساتھ ازما! اور تم جس طرح کام کو سر پر سوار کر لیتی ہو، مجھے یہ بھی اچھا نہیں لگتا۔ جب تم خود کو اتنا تھکا لیتی ہو تو تمہاری ان حسین آنکھوں کی چمک بالکل ماند پڑ جاتی ہے اور تمہاری آنکھیں مجھے کتنی اچھی لگتی ہیں۔۔۔۔ یہ اگر تمہیں پتا چل جائے تو تم کبھی انہیں تھکنے نہ دو۔" وہ بہت سنجیدگی سے بولا جبکہ وہ شیشے میں اپنی آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی تھی۔

"کیا واقعی میری آنکھیں خوب صورت ہیں؟ کیا شربت گل سے بھی زیادہ؟" وہ اس کے شرارتی سے انداز پر

ہنس پڑا تھا۔

"اس کے لیے تو اسٹیو میکر نے صرف سترہ سال در در کی خاک چھانی ہے میں تمہارے لیے ستر سال تک در بدر مارا مارا پھر سکتا ہوں۔" وہ اس کے فلمی انداز پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ وہ خود بھی اپنے جواب کو انجوائے کرتا ہوا ہنس رہا تھا۔

"اگر انکل کو پتا چل گیا ناں کہ تم سائٹ پر لے جانے کے بہانے مجھ سے کس قسم کی باتیں کرتے ہو تو وہ آج ہی میرے ہاتھ میں ٹرمیشن لیٹر پکڑا دیں گے۔" اپنی ہنسی کو بریک لگاتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولی۔

"انہیں بتائے گا کون؟" اس نے لاپروائی سے کہا۔

یونہی اوٹ پٹانگ باتیں کرتے وہ گلستان جوہر میں واقع اس زیر تعمیر رہائشی بلڈنگ کے پاس پہنچ گئے تھے۔ جب سے جاب شروع کی تھی، یہ اس کا کسی بھی سائٹ پر جانے کا پہلا تجربہ تھا۔ اسی لیے وہ خاصی کونشسیں تھی۔ زیادہ وقت وہ خاموشی سے دانیال کا مشاہدہ کرتی رہی تھی۔ وہ سائٹ انجینئر، ٹھیکے دار اور مزدوروں سے کس انداز میں بات کر رہا ہے۔ کس کس چیز کو کس انداز میں دیکھ رہا ہے۔ وہ اسے ساتھ لایا بھی اسی لیے تھا۔

"ایک ایک بات پر دھیان دو۔ کسی چھوٹی سی چیز کو بھی نظر انداز مت کرو۔ ایک اچھا انجینئر وہی ہوتا ہے جس کی آنکھیں، کان اور دماغ سائٹ پر پوری طرح

حاضر رہیں۔" واپسی میں وہ اسے وہاں کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں بتاتا رہا جو دیکھی تو اس نے بھی تھیں مگر ان پر دھیان نہیں دیا تھا۔

"جوس پیو گی؟" دانیال نے ایک نظر اس پر ڈال کر پوچھا۔ اس نے فوراً" انکار میں سر ہلا دیا۔

اس نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔ اتنے دنوں میں وہ اس کی نیچر کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ وہ واقعی بہت محتاط لڑکی تھی۔ کسی خاص کام کے علاوہ وہ اسے فون نہیں کرتی تھی۔۔۔۔ آفس میں اس کے ساتھ غیر ضروری

باتیں نہیں کرتی تھی۔۔۔۔ اس کے ساتھ سائٹ پر بھی وہ اپنے پروفیشن کی مجبوری سمجھتے ہوئے گئی تھی۔۔۔۔ لیکن بے مقصد تفریح اور ہوٹلنگ چاہیے ساتھ منگیتر ہی کیوں نہ ہو، اسے ہرگز پسند نہیں تھی اور دانیال نے اس بات کے لیے اسے کبھی مجبور نہیں کیا تھا۔ حالانکہ وہ اس بات کے لیے اسے کبھی مجبور نہیں کیا تھا۔ حالانکہ وہ اس بات میں کوئی برائی نہیں سمجھتا تھا کہ وہ اور اذما کہیں ساتھ بیٹھ کر آئس کریم کھا لیں یا لنچ کر لیں لیکن اگر وہ ایسا کرنا ناپسند کرتی تھی تو وہ اس کی پسند کا احترام کرنا پسند کرتا تھا۔

* * * *

"یار! جاب چل تو رہی ہے لیکن میں انجوائے نہیں کر رہی۔" اس کی فون پر رباب کے ساتھ بات ہو رہی تھی۔ ایگزیمز سے فارغ ہونے کے بعد اسے ایک کنسلٹنسی میں جاب مل گئی تھی۔ "پڑھائی کی حد تک تو ٹھیک تھا، لیکن جاب میں مجھے یہاں زیادہ مزہ نہیں آ رہا۔ یہاں اتنا کام نہیں۔" وہ اپنی جاب سے خوش نظر نہیں آ رہی تھی۔

"تو تم کراچی آ جاؤ ناں۔ انکل کی تو ویسے بھی پانچ چھ مہینے میں واپس کراچی پوسٹنگ ہونے ہی والی ہے۔ تم پہلے ہی آ جاؤ۔" اس نے جھٹ اسے مشورہ دے ڈالا تھا۔

اس وقت تو وہ جواب میں کچھ نہیں بولی شاید آنٹی انکل سے مشورہ کرنا چاہتی تھی مگر جب اگلے روز رباب نے اسے اپنے کراچی آنے کا بتایا تو وہ خوشی سے پاگل ہو گئی۔ اپنی اسے بے پناہ عزیز دوست کی جدائی اسے بہت شاک گزرتی تھی۔ اب وہ واپس آ رہی تھی تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ اس نے دانیال کو بھی بڑی خوشی خوشی رباب کے واپس آنے کا بتایا۔

"اسے تم سے ملنے کا بہت شوق ہے۔" وہ آفس میں اس کے کمرے ہی میں بیٹھی ہوئی تھی۔

"اور مجھے اس سے ملنے کا کوئی خاص شوق نہیں۔ جب اس کی غیر موجودگی میں تم اس طرح ہر وقت اس کا ذکر

کرتی رہتی ہو تو اس کے آنے پر تو تم مجھے بالکل ہی اگنور کر دیا کرو گی۔ مجھے تو یہ لڑکی اپنی رقیب لگنے لگی ہے۔"

اس وقت وہ لوگ ایک فیکٹری کی بیسمنٹ کے بارے میں بعض باتیں ڈسکس کرنے بیٹھے تھے مگر گفتگو کا موضوع اچانک ہی تبدیل ہو گیا تھا۔

"وہ میری بیسٹ فرینڈ ہے دانیال۔" اس نے دانیال کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا بابا سوری۔" اس نے فوراً" معذرت کر لی۔

"ہماری اتنی پرانی دوستی ہے اور میں تمہیں کیا بتاؤں۔۔۔ وہ مجھ سے کتنا پیار کرتی ہے۔" رباب کا ذکر وہ بغیر اکتائے گھنٹوں کر سکتی تھی چاہے سامنے والا بور ہی کیوں نہ ہو رہا ہو۔" دانیال اس کی بات سن کر مسکرایا۔

"اس کا مطلب ہے لڑکی باذوق ہے۔ اور اس کی پسند مجھ سے کافی ملتی ہے۔" وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ کر ہنس پڑی تھی۔ حالانکہ رباب نے اس سے ایسا کچھ نہیں کہا تھا مگر انکل اور دانیال نے اسے جو مان دیا تھا۔۔۔ اس نے اسے دانیال سے رباب کی یہاں جاب کے لیے بات کرنے پر اکسایا تھا۔ فی الحال کسی نئے انجینئر کے اپائنمنٹ کی ضرورت نہیں تھی مگر وہ اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا۔

"تم کہہ رہی ہو۔۔۔ وہ بہت جینئس اور ٹیلنٹڈ ہے تو میرا خیال ہے۔ آزما لینے میں کوئی حرج نہیں۔" دانیال نے کہا تھا اور پھر اسی نے انکل سے بھی بات کر لی تھی۔ اسے پوری امید تھی کہ رباب جیسی ذہین اور قابل لڑکی انکل اور دانیال کے معیار پر سو فیصد پوری اترے

گی۔ انجینئرنگ کے چاروں سالوں میں اس نے دانیال ہی کی طرح پہلی پوزیشن لی تھی۔ اس کا کام کرنے کا انداز بھی بڑی حد تک دانیال سے ملتا جلتا تھا۔ وہ بھی انفرادیت پسند کرتی تھی۔ اپنی راہیں سب سے الگ رکھتی۔ خود کو دوسروں سے مختلف ثابت کرنا اور ایسی لڑکی یقیناً" دانیال کو بری نہیں لگ سکتی تھی۔

رباب کراچی آ گئی تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ فی الحال ان لوگوں کا گھر کرایہ پر ہی تھا۔ وہ اپنی پھوپھی

کے گھر ٹھہر گئی تھی۔ حالانکہ اس نے دل و جان سے یہ چاہا تھا کہ وہ ان لوگوں کے ہاں رکے اور نہ تو انکل آنٹی کو اور نہ ہی رباب کو اس بات پر کوئی اعتراض تھا مگر اس کی اکلوتی پھوپھی ضرور اس بات پر ناراض ہو جاتیں کہ بھتیجی نے پھوپھی کا گھر چھوڑ کر سہیلی کے گھر رہنے کو ترجیح دی۔

رباب نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہر دو تین دنوں میں پھوپھی سے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اس کے گھر رہنے کے لیے آ جایا کرے گی اور وہ اس بات پر کچھ مطمئن ہو گئی تھی۔

رباب کو دانیال کو دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اگرچہ اس نے حیدر آباد اسے اپنی اور دانیال کی منگنی کی تین چار تصاویر اسکین کر کے ای۔ میل کی تھیں مگر وہ تصاویر سے مطمئن ہونے والوں مین سے نہیں تھی۔

"میں دیکھنا چاہتی ہوں کون سے وہ سورما جس نے میری اذما کا دل فتح کر لیا۔" وہ بہت پر جوش سے انداز میں بولی۔

"دیکھ لینا اسے۔ کل تم میرے ساتھ آفس چل رہی ہو۔ میں نے وہاں تمہاری جاب کے لیے بات کر کے رکھی ہوئی ہے۔" وہ جواباً" بولی تھی۔ رباب اس بات پر کافی حیران ہوئی۔

"اور وہ تمہارے سسر اور دانیال مان گئے مجھے رکھنے کے لیے۔ بغیر مجھے دیکھے، بغیر مجھ سے ملے۔"

"تم سے نہیں ملے تو کیا ہوا۔ مجھ سے تو وہ لوگ ملے ہوئے ہیں اور انہیں پتا ہے کہ اذما مقصود کی عزیز از جان دوست کوئی معمولی لڑکی ہو نہیں سکتی۔" وہ اترائی۔ پھر وہ رباب کے ساتھ کافی دیر تک بیٹھ کر دانیال ہی کی باتیں کرتی رہی تھی۔ رباب کے علاوہ وہ اپنی فیلنگز کسی کے ساتھ بھی شیئر کر ہی نہیں سکتی تھی۔

"اسے پتا ہے کہ تم اس سے اتنی دیوانہ وار محبت کرتی ہو؟" رباب نے پوچھا تھا۔

"میرا خیال ہے، اسے کچھ کچھ اندازہ ہے۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"اندازہ؟" رباب نے اچنبھے سے پوچھا۔ "منگنی ہونے کے بعد وہ بھی اپنے من پسند بندے کے ساتھ

اندازوں سے کام چلایا جارہا ہے۔ تم کبھی سدھرو گی بھی کہ نہیں۔" رباب اس کی خود کو چھپانے والی عادت سے نالاں سی ہو کر بولی۔

"یار! اب ایسی باتیں فلموں اور ناولوں میں تو ہو سکتی ہیں۔ عام زندگی میں اس طرح کے جملے کس طرح بولے جا سکتے ہیں۔ کتنا چیپ سا لگتا ہے ایسی باتیں کرنا۔"

"میں تمہاری جگہ ہوں تو بڑا بھرپور اور شدید اظہار کروں اپنی محبت کا اس شخص سے جس سے میں واقعی محبت کرتی ہوں۔" وہ اس کی بات سن کر فورا" بولی تھی۔

"آخر وہ مبارک دن آئے گا کب۔ میں تو انتظار کر رہی ہوں اس دن کا جب رباب سلیم کو کسی سے محبت ہو جائے گی۔ اچھے اچھوں کو تو تم خاطر میں لاتی نہیں ہو۔ مجھے تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا آئیڈیل ہے کیسا؟ تمہیں تو ہر کسی میں عیب نظر آتا ہے۔ وہ تمہاری پھوپھی کا بیٹا بے چارہ کتنا آگے پیچھے پھرتا ہے تمہارے اور تم بے چارے کو لفٹ بھی نہیں دیتیں۔ حالانکہ وہ کوئی گیا گزرا تو نہیں۔ اتنی اچھی جاب ہے اس کی پرسنیلٹی بھی اچھی خاصی ہے اور پھر وہ جو تمہارے انکل کا بیٹا ہر ہفتہ تمہاری خاطر حیدرآباد کا چکر لگایا کرتا تھا۔ چاہے تمہارے عشق میں ایئر فورس سے نکال دیا جاتا لیکن اس نے حیدرآباد جانا نہیں چھوڑا۔ پائلٹس پر تو لڑکیاں مرتی ہیں۔ کتنے ہینڈسم لگتے ہیں یونیفارم میں۔ مگر تم نے اسے بھی گھاس نہیں

ڈالی۔ آخر وہ ہوگا کون جو رباب سلیم کے دل کو تسخیر کرے گا۔" وہ کچھ زچ سی ہو کر طویل تقریب کر گئی تھی۔

رباب اس کے چڑچڑے انداز پر کھل کر ہنسی پھر کچھ سوچتے ہوئے آہستہ آواز میں بولی۔ "وہ بڑا خاص سا بندہ ہوگا ازما۔ عام مردوں سے بالکل مختلف۔ اس کی سوچ، اس کی بات، اس کا ہر انداز عام مردوں سے مختلف ہوگا۔ بہت منفرد۔ سب سے آگے۔ ہر جگہ چھا جانے والا۔ اس میں لیڈر شپ ہوگی۔ وہ ہر جگہ لیڈ کرے گا۔

بہت بولڈ، بہت کانفیڈنٹ اور بے تحاشا ذہین۔ جس سے بات کرتے ہوئے مجھے ہر وقت یہ احساس ہو کہ میں اس کے آگے بہت کم علم ہوں۔ بس یار! وہ ایسا ہو کہ اسے دیکھ کر ایک پل کے لیے میرا دل دھڑکنا ہی بھول جائے۔"

"میں دعا کرتی ہوں کہ تمہیں جلدی سے ایسا بندہ مل جائے۔" وہ اس کی طویل تقریر پر ہنستے ہوئے دعائیہ انداز میں بولی۔

اگلے روز وہ رباب کو ساتھ لے کر آفس آئی تھی۔ رباب کو اپنے کمرے میں بٹھا کر اس نے انٹر کام پر انکل سے بات کی۔ انہوں نے فورا" ہی ان دونوں کو بلا لیا تھا۔

انکل رباب سے بڑی اچھی طرح ملے تھے۔ اس نے رباب کے کانفیڈنس کو پیار بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ ایسی ہی پر اعتماد تھی وہ۔ کبھی بھی نہیں گھبرائی تھی۔ حالانکہ انکل باتوں باتوں میں اس سے بہت سی پروفیشنل باتیں کر رہے تھے مگر وہ بغیر گھبرائے ان کے ہر سوال کا جواب دے رہی تھی۔ ابھی انہیں بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ دانیال اندر آیا۔ ایک سرسری سی نگاہ رباب پر ڈال کر وہ ان لوگوں کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ دانیال ہے۔" انکل نے رباب سے بیٹے کا تعارف کروایا۔ رسمی سے انداز میں مسکراتے ہوئے بڑے سرسری اور عام سے لہجے میں دانیال نے اس سے سلام دعا کی تھی۔

دانیال عموما" اتنی جلدی کسی کو لفٹ نہیں دیا کرتا اسے یہ بات معلوم تھی مگر رباب کے لیے وہ چاہتی تھی کہ وہ اپنے اصولوں کو تھوڑا سا بدل دے۔ وہ بھی اسے اہمیت دے۔۔۔۔ اس لیے کہ وہ ازما کی عزیز ترین دوست ہے۔

"میں جدت اور انفرادیت پسند کرتی ہوں۔ دوسروں سے ہٹ کر کچھ مختلف کرنا۔ یعنی یہ کہ ہم اس راستے

سے ہٹ کر چلتے ہیں جو راستہ عام ہو جائے۔ میں ان آرکیٹکٹس اور انجینئرز کو سخت ناپسند کرتی ہوں جو دوسروں کی ڈیزائنگ اور پلاننگ چرا چرا کر کام کرتے ہیں۔" وہ انکل کی کسی بات کے جواب میں بولی تھی اور اس کی یہ بات سن کر انکل کے چہرے پر سنجیدگی سے بھرپور تاثر ابھرا تھا۔ انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہت ٹیلنٹڈ اور ذہین لڑکی ہے۔

دانیال تو کچھ ہی دیر میں معذرت کرتا اٹھ گیا تھا۔ انکل سے البتہ رباب کی کافی تفصیلی بات چیت ہوئی۔ جتنی دیر دانیال بیٹھا تھا تب بھی وہ خاموش ہی رہا تھا۔ انکل نے رباب کو پہلی تاریخ سے جوائن کرنے کے لیے کہا تھا۔ انکل کے کمرے سے نکل کر وہ رباب کو حجاب، امبر اور بشریٰ وغیرہ سے متعارف کروانے لگی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ رباب کچھ خاموش خاموش سی ہے۔ وہ تو نئے لوگوں سے فوراً" بے تکلف ہو جایا کرتی تھی مگر اس وقت وہ خاصی خاموش تھی۔ اس نے خاموشی کی وجہ دریافت کرنا چاہی تو وہ لاپروائی سے ہنس کر بات ٹال گئی۔ اسے لگا شاید رباب کو دانیال کا خشک اور روکھا پھیکا انداز پسند نہیں آیا ہے۔

"یار! دانیال اصل میں ایسا ہے نہیں جیسا نظر آتا ہے۔ میں بھی اسے پہلے بہت مغرور اور گھمنڈی سمجھتی تھی۔۔۔۔ دراصل اس کی نیچر نہیں ہے ایک دم گھلنے ملنے والی۔" اس نے رباب کا دانیال کی طرف سے دل صاف کرنے کی کوشش کی۔

دل ہی دل میں وہ دانیال سے خفا بھی ہوئی تھی کیا ہو جاتا اگر وہ رباب سے ذرا سا ہنس کر باتیں کر لیتا۔۔۔۔ چلو اذما کی دوست سمجھ کر ہی۔ مگر اس نے تو اس قسم کی مروت سیکھی ہی نہیں تھی۔ دانیال سے شکوہ شکایت کی نوبت ہی نہیں آئی۔۔۔۔ وہ اسی روز کسی پراجیکٹ کے سلسلے میں لاہور چلا گیا اور تین دن بعد جب وہ واپس آیا تو وہ اس بات کو بھول چکی تھی۔

* * * *

وہ اور حجاب جس کمرے میں بیٹھتی تھیں، وہ خاصا بڑا تھا۔ اسی لیے وہیں رباب کے لیے بھی میز رکھ دی گئی تھی۔ ویسے بھی ان لوگوں کا زیادہ وقت تو ڈرائنگ سیکشن میں گزرا کرتا تھا۔ جس روز رباب کا پہلا دن تھا وہ بہت خوش تھی۔ اب وہ اور رباب پہلے کی طرح سارا دن ساتھ گزارا کریں گی۔ عمران ان لوگوں کے کمرے میں چائے لے کر آیا تو رباب یہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ اس نے حجاب کو اور اسے تو چائے دی ہے جبکہ اذما کو گلاس میں کوئی اسکواش یا جوس وغیرہ پیش کیا تھا۔

"یہ غالب کی حرکت ہے۔ اسے بھی اتنی گرمی میں چائے پینا پسند نہیں ہے اور مجھے بھی۔ اس لیے اس نے کچن میں کافی سارے اسکواشز اور ٹینگ لا کر رکھ دیا ہے ہم دونوں کے لیے۔ اب صبح اور شام میں باقی سارا اسٹاف چائے پیتا ہے اور ہم دونوں کوئی اسکواش یا ٹینگ۔" وہ اس کی حیرت بھانپتے ہوئے ہنس کر بولی۔

حجاب ہی کی طرح اذما کی بھی غالب کے ساتھ کافی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ اور حجاب، رباب سے کام کرنے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتی جا رہی تھیں جبکہ وہ فی الحال فارغ بیٹھی تھی۔ اسی وقت دانیال اندر آیا۔ حجاب اور رباب سے رسمی سی ہائے ہیلو کرتا وہ اذما کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کل جو عامر بلڈرز کے فلیٹس کی ڈرائنگز میں نے تمہیں دی تھیں، وہ دکھاؤ۔" وہ اپنی میز کے پاس رکھے ڈرائنگ اسٹینڈ میں سے ڈرائنگز نکالنے لگی تھی۔

"ایسا کرو، ڈرائنگز لے کر میرے کمرے میں آ جاؤ۔" وہ سنجیدگی سے کہتا کمرے سے نکل گیا وہ بھی پیچھے پیچھے اس کے کمرے میں آ گئی۔ وہ ڈرائنگ اپنی میز پر پھیلائے کچھ غور و فکر میں مبتلا تھا۔

"یہ مسز اختر بھی بس۔ کبھی کبھی بالکل چلاؤ کام کرتی ہیں۔ اگر آرکیٹیکٹ صحیح کام نہیں کرے گا تو انجینئر کام کو آگے بڑھائے گا کیسے۔" اسے بعض ستونوں کی موجودگی پر اختلاف تھا اور وہ اسی سوچ میں مگن تھا۔

"رباب کو بلاؤ۔ اس وقت تو وہ ویسے بھی فارغ بیٹھی ہے۔ کیا پتا وہ ہی کوئی اچھا آئیڈیا دے دے۔" اسے آخر

دانیال کے سامنے دوست کی ذہانت تسلیم بھی کروانی تھی۔

وہ جواب میں خاموش رہا۔ شاید اس کی بات اس نے سنی بھی نہیں تھی۔ کیلکولیٹر ہاتھ میں لیے وہ مختلف کیلکولیشن کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس کے جواب نہ دینے کا پرامانے بغیر وہ کمرے سے نکل کر رباب کے پاس آگئی تھی۔

"بعض کولمز ایڈجسٹ نہیں ہو رہے ہم لوگوں سے۔ ذرا تم آئیڈیا دو۔۔۔۔ کیسے کریں حل اس مسئلے کو۔" وہ اسے وہاں لاتے ہوئے بولی۔

دانیال نے رباب کے آنے کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ وہ خود ہی ڈرائنگ پر جھک کر مسئلہ سمجھنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

"یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ تو نہیں جس پر آپ اتنی سوچ بچار کر رہے ہیں۔" وہ دانیال سے مخاطب ہوئی۔ اس نے کیلکولیٹر سے نظریں ہٹا کر اسے بغور دیکھا۔

"اچھا تو آپ کوئی مناسب سا حل بتا دیں اس عام سے مسئلے کا۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ پھر رباب نے جو حل بتایا۔ اسے دانیال نے یکسر مسترد کر دیا۔

"میں اس پر سوچ چکا ہوں۔ یہ کاغذ پر تو صحیح لگ رہا ہے مگر درحقیقت قابل عمل نہیں۔" پھر ایک کے بعد ایک وہ کافی سارے مشورے دیتی رہی تھی۔

"ہاں اس پر سوچا جا سکتا ہے۔" کافی دیر بعد دانیال کو اس کا ایک مشورہ کچھ پسند آہی گیا تھا۔ پھر اس پر ان تینوں نے کافی دیر تک بیٹھ کر غور و خوض کیا تھا اور پھر رباب کے دیے مشورے میں کچھ تبدیلیاں کرنے کے بعد اسے مان لیا گیا۔

اس مشورہ سازی سے اذما کو یہ فائدہ ہوا تھا کہ دانیال اور رباب کی آپس میں کافی ساری باتیں ہو گئی تھیں۔

وہاں سے اٹھتے وقت رباب نے اس سے اپنے لیے کوئی کام مانگا تھا اور دانیال نے اسے ایک سوئمنگ پول ڈیزائن کرنے کے لیے دے دیا تھا۔

"آپ سوئمنگ پول ڈیزائن کر لیں گی؟" اس نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"ہاں۔ میں نے اپنے پراجیکٹ میں سوئمنگ پول ڈیزائن کیا تھا۔" وہ جواباً" پر اعتماد انداز میں بولی۔

وہ لوگ واپس آکر بیٹھیں تو رباب بڑی سنجیدگی اور خاموشی سے کام میں مگن ہو گئی تھی۔ یونہی کام کرتے کرتے کچھ دیر گزری ہو گی جب غالب کمرے میں ایا۔

"آپ تھوڑی دیر کے لیے ڈرائنگ سیکشن میں آسکتی ہیں؟" وہ اذما سے مخاطب ہوا۔ وہ کمپیوٹر سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"دانیال بھائی نے ایک ڈرائنگ مکمل کرنے اور پھر اس کا پرنٹ نکلوانے کو کہا تھا مجھ سے پرسوں۔ پتا نہیں کیسے بھول گیا۔ اب وہ اس کا پوچھ رہے ہیں۔" وہ اب بھی اس کی فرمائش کا پس منظر سمجھ نہیں پائی تھی۔

"آپ وہاں ہوں گی تو میرا بھلا ہو جائے گا۔ آپ کو دیکھ کر ان کا غصہ فوراً" اتر جاتا ہے۔ پلیز مس اذما! میری مدد کریں۔" حجاب اور رباب بھی ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں جبکہ وہ غالب کو گھور گھور کر دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو یقین نہیں آرہا ناں۔ پوچھ لیں مس حجاب سے۔۔۔ کل جب اکرم صاحب نے ڈرائنگ میں گڑبڑ کر دی تھی اور آپ ایک دم سے وہاں اکرم صاحب کے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر آگئی تھیں تو انہوں نے کس طرح اپنی ڈانٹ کو بہت مختصر اور الفاظ کو نرم کر دیا تھا۔"

دانیال، غالب کو ڈھونڈتا خود ہی یہاں آگیا۔ ابھی وہ اس کی فضول بکواس پر کچھ بول بھی نہیں پائی تھی کہ دانیال کے آجانے پر اسے خاموشی اختیار کیے رکھنی پڑی۔

"کتنی دیر ہو گئی۔۔۔ مجھے تم سے ڈرائنگز مانگے ہوئے۔ لگتا ہے۔۔۔ کام ہوا نہیں ہے۔" وہ سخت انداز میں بول رہا تھا۔

"وہ دانیال! غالب کو میں نے کل اپنی ایک ڈرائنگ بنانے میں بزی کر لیا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر میں کمپلیٹ کر کے دے گا یہ تمہیں کام۔" اس کی مظلوم اور معصوم سی شکل پر اسے خواہ مخواہ ترس آ گیا۔

وہ ابھی اسٹوڈنٹ لائف والی مخصوص بے فکر اور لاابالی پن کو انجوائے کر رہا تھا۔ اسی لیے اکثر کام کو غیر سنجیدگی سے لیا کرتا تھا۔ وہ اور حجاب اسے کام میں سنجیدہ ہو جانے کا سمجھاتیں مگر فی الحال وہ اسے بے فکر زندگی کو انجوائے کرنا چاہتا تھا۔ دانیال نے ایک بہت ہی گہری نظر اس پر ڈالی۔

"ایک تو اس نے اپنے حمایتی بہت پیدا کر لیے ہیں یہاں۔ کچھ کہوں تو اس کی "باجیوں" کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔" دانیال نے اسے اور حجاب کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے تمہیں دو گھنٹے کا ٹائم دے رہا ہوں کام مکمل کرنے کے لیے۔" وہ غالب کو وارننگ دیتا باہر نکل گیا۔ غالب نے ایک پرسکون سی سانس لی اور ڈھیلے ڈھالے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

"بہت بچت ہوئی ہے آپ کی وجہ سے میری۔ ورنہ اس حرکت پر تو انہوں نے میرا اگلا دبا دینا تھا۔" وہ تشکرانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"بھئی۔۔ باجیوں کو آخر چھوٹے بھائی کی حمایت تو کرنی ہی تھی۔ آخر ان کا دل جو دکھتا ہے اگر کوئی ان کے بھائی کو کچھ کہے۔۔۔ خاص طور پر تمہاری امبر باجی کو تو بہت ہی برا لگتا ہے۔" حجاب شرارتی مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے بولی۔ اس بات پر وہ بھی بے ساختہ ہنس پڑی جبکہ غالب کا منہ بن گیا تھا۔

"وہ میری باجی نہیں ہے۔ کل بہانے سے میں نے اس کا شناختی کارڈ دیکھا تھا' مجھ سے صرف چھ مہینے بڑی ہے

وہ۔" وہ دونوں اس کے برا ماننے پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھیں۔

رباب ان لوگوں کی باتوں سے بے نیاز کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ دو تین بار اس نے اسے بھی گفتگو

یں شریک کرنا چاہا مگر وہ کام میں مگن خاموش ہی رہی۔

"تم سیدھا سیدھا پرپوز کیوں نہیں کر دیتے اسے۔" حجاب نے مشورہ دیا۔

"اور وہ تو جیسے مان ہی جائے گی ناں۔ آج کل کی لڑکیاں محبت بھی بندے کا اسٹیٹس دیکھ کر کرتی ہیں۔ گاڑی کون سی ہے، پیسہ کتنا ہے۔ اگر سب ٹھیک ہے تو صحیح ہے ورنہ کون سی محبت۔۔۔۔۔ کیسی محبت۔ کیا دور آ گیا ہے۔ لوگ محبت میں بھی نفع نقصان سوچتے ہیں اور یہاں یہ حال ہے کہ جو گاڑی میں بے چارہ ڈرائیو کرتا ہوں وہ میرے ابا جان کی ہے اور والٹ میں بھرے پیسے جو مہینے کا اختتام آتے آتے تقریباً" ختم ہو چکے ہوتے ہیں۔۔۔ وہ بھی ابا جان کے ہی ہیں۔" وہ دکھیاری شکل بنا کر بول رہا تھا۔

امبر۔۔۔ پوائنٹر اور ایک کاغذ ہاتھ میں لیے حجاب سے کچھ پوچھنے آئی تھی۔ غالب نے اسے دیکھ کر ایک سرد آہ بھری وہ اسے نظرانداز کیے حجاب سے بات کر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ پوائنٹر سے کاغذ پر کچھ Draw بھی کرتی جا رہی تھی۔

"کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا پوائنٹر ہوتا۔" وہ آہستگی سے گنگنایا۔۔۔ مگر آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ امبر تک پہنچ سکے۔ اس نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے دراز میں منہ ڈال کر کچھ ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ امبر اس پر توجہ دیے بغیر کمرے سے چلی گئی تھی۔

لنچ ٹائم میں جب وہ سب اکٹھی ہوئیں تو بشریٰ جائے نماز اٹھاتے ہوئے ان لوگوں سے بولی۔ "کل میں طارق روڈ گئی تھی امی اور بھابھی کے ساتھ۔ یار دو دو سو میں اتنے اچھے جارجٹ کے شرٹ پیس بک رہے تھے فٹ پاتھ پر۔" دو سو روپے سنتے ہی وہ سب ہی اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گئی تھیں۔

"اتنا سستا۔ مجھے نہیں یقین آرہا۔" حجاب ماننے پر تیار نہیں تھی۔

"سچ۔ میں نے تو چار پانچ شرٹ پیس لے لیے اور کپڑے کی کوالٹی عمدہ ہے۔ اور اوپر سے قیمت۔۔۔ سمجھو مفت ہی ہے۔"

ان سب کے ہی منہ میں پانی آگیا تھا۔ اب طارق روڈ کے فٹ پاتھوں کا دورہ کیے بغیر رہا نہیں جا سکتا تھا۔ شاپنگ سے لڑکیوں کا دل کبھی نہیں بھرتا اور اوپر سے سستے کا لالچ بھی شامل ہو جائے تو کیا ہی بات ہے۔

"مجھے لگتا ہے۔۔۔ کہیں اسے اسمگل ہو کر آیا ہوا کپڑا ہے۔" بشریٰ دوپٹہ سر پر اوڑھتے ہوئے بولی تھی۔

آفس سے واپسی میں طارق روڈ جانے کا پروگرام طے کرتی وہ سب نماز پڑھنے لگی تھیں۔

"آج چاٹ اذما کی طرف سے ہو گی۔" چھٹی کے وقت جب وہ لوگ اٹھ رہی تھیں تو امبر بولی۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا تھا۔

ہر بار شاپنگ کا آغاز چاٹ اور کولڈ ڈرنک سے کیا جاتا تھا۔ مہینے میں دو تین مرتبہ تو وہ لوگ لازمی ایک ساتھ شاپنگ کا پروگرام بنا لیا کرتی تھیں۔ رباب کو چھٹی کے وقت بھی کام میں مصروف دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔

"چلنا نہیں ہے رباب؟"

"نہیں یار! میں یہ کام نمٹا کر ہی جاؤں گی۔" اس نے مصروف انداز میں جواب دیا۔

"دانیال نے یہ تھوڑی کہا تھا کہ سوئمنگ پول کل ہی بننا ہے۔ باقی کام آرام سے کل کر لینا۔" وہ پیار سے بولی۔

"پلیز اذما! اس وقت میرا کام کرنے کا موڈ بنا ہوا ہے۔ تم جاؤ۔" وہ کچھ بیزاری سے بولی تھی۔

"لو یہ کوئی بات ہوئی۔ تم ہمارے ساتھ چلتیں۔۔۔ اتنا مزا آتا ہے۔ یہ بشریٰ دکانداروں سے اتنے مزے سے قیمتیں کم کرواتی ہے کہ تم سوچ نہیں سکتیں اور پھر بعد میں اکیلی جاؤ گی کس طرح۔" اسے ایک نئی فکر لاحق ہوئی تھی۔

"اذما! میں کراچی میں نئی نہیں آئی ہوں۔ مجھے راستوں کا بھی پتا ہے اور باہر ٹیکسی اور رکشہ کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔" وہ اتنے خشک سے انداز میں بولی کہ وہ مزید اصرار کر ہی نہیں سکی تھی۔

پھر سب کے ساتھ شاپنگ میں بھی اسے مزہ نہیں

آیا تھا۔ رباب جس طرح سارا دن چپ چاپ کام کرتی رہی تھی بغیر اس سے کوئی بات کیے وہ بات بھی اب اسے بہت محسوس ہو رہی تھی۔

* * * *

اگلے روز جب اس کے بعد ڈرائیور نے رباب کو اس کے گھر سے پک کیا تو وہ کل کے مقابلے میں بڑی نارمل سی تھی۔ ہنستی مسکراتی، باتیں کرتی ہوئی۔

"کل کب گئی تھیں تم گھر؟" کچھ دیر بعد اسے دھیان آیا تو پوچھ بیٹھی۔

"ٹائم نہیں دیکھا تھا میں نے۔ ویسے جلدی چلی گئی تھی میں۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"اور وہ سوئمنگ پول کا کیا ہوا؟"

"وہ مکمل ہو گیا تھا" اس کے سوال پر رباب نے مختصر جواب دیا اور پھر اس سے کل کی جانے والی شاپنگ کے بارے میں پوچھنے لگی تھی۔

"بس یار! بیٹھے بیٹھے ہزار روپے ٹھکانے لگا دیے کل میں نے۔ اور ان میں سے ایک پرنٹ رجا کو پسند آگیا وہ اس نے لے لیا" وہ بھی سوئمنگ پول کو بھول کر اسے شاپنگ کی تفصیلات سنانے لگی۔

"دانیال آجائیں تو مجھے بتا دینا۔" عمران نے پانی اور چائے لا کر رباب کی میز پر رکھی تو وہ کاغذوں پر سے سر اٹھا کر اس سے بولی۔ کچھ دیر بعد جب عمران نے اسے دانیال کے آنے کا بتایا تو وہ ایک ڈرائنگ اور کچھ کاغذات اٹھا

کر اس کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ دوست کی قابلیت پر فخر محسوس کرتی اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ یقیناً" رباب اسے اپنا کل کا کام دکھانے گئی تھی۔ صابر صاحب نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ کافی دیر بعد وہ وہاں سے آئی تو رباب ابھی بھی واپس نہیں آئی تھی۔

"مس رباب دانیال بھائی کے ساتھ ہوٹل سائٹ پر گئی ہیں۔ یعنی جہاں سوئمنگ پول بننا ہے۔"

غالب حسب عادت ان لوگوں کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کی حیرت بھانپتے ہوئے فوراً" اطلاع فراہم کی تھی۔

"ویسے آپ کی دوست ہیں بہت جینئس۔ کل کافی دیر تک وہ اور دانیال بھائی یہاں بیٹھے کام کرتے رہے تھے۔ چھ بجے تک تو وہ اکیلی ہی کام کر رہی تھیں پھر دانیال بھائی آگئے تو میرا خیال ہے آٹھ ساڑھے آٹھ تک انہوں نے مل کر کام مکمل کیا تھا۔ بلکہ میرا خیال ہے کام تو وہ کر ہی چکی تھیں دانیال بھائی نے اس میں جو اعتراضات کیے تھے وہ دور کیے تھے بعد میں ان دونوں نے۔ میں حیران ہو رہا تھا دانیال بھائی کبھی کسی کی ذہانت سے امپریس نہیں ہوتے لیکن آپ کی دوست کی قابلیت سے وہ متاثر نظر آ رہے تھے اور ابھی انکل نے بھی ان کا کام دیکھا تو وہ بھی کافی امپریس ہوئے ہیں ان کے کام سے۔" غالب کی بات پر خوش ہونے کے ساتھ ساتھ اسے یونہی خیال سا آیا تھا کہ رباب نے اسے یہ ساری باتیں کیوں نہیں بتائیں۔

صبح اس کے پوچھنے پر اس نے سرسری سے انداز میں جواب دیا تھا اور اس بات کا تو ذکر ہی نہیں کیا تھا کہ وہ دانیال کے ساتھ کام کرتی رہی تھی۔

"بڑا لوگوں کو امپریس کیا جا رہا ہے اور ہمیں خبر بھی نہیں۔" رباب واپس آئی تو اس نے پیار بھرا شکوہ کیا تھا۔

حجاب اس وقت نہیں تھی۔

رباب بیگ کندھے سے اتار کر لاپروائی سے بولی۔

"ہاں وہ میں کام ختم کر ہی چکی تھی جب دانیال آگیا۔ میں نے اسے اپنی ڈیزائنگ دکھائی تو پھر بحث و تکرار اور اعتراضات میں کافی وقت لگ گیا۔ پھر مجھے ڈراپ بھی دانیال ہی نے کیا تھا۔" وہ اس کی بات توجہ سے سنتی اس کے پاس ہی آکر بیٹھ گئی۔

"اب کیا خیال ہے تمہارا دانیال کے بارے میں۔ مجھے پتا ہے شروع میں تم اسے ایک مغرور اور بداخلاق لڑکا سمجھ رہی تھیں۔" رباب جواباً" ہنس پڑی۔

"تم تو چاہتی ہو۔۔۔۔ ہر وقت سب لوگ دانیال کی تعریفیں کرتے رہیں۔ تمہیں تو اس کی پی آر او ہونا چاہیے تھا۔"

"کسے کس کا پی آر او ہونا چاہیے؟" دانیال اندر آیا۔ وہ دونوں ہی اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"کہاں ہو۔۔۔۔ صبح سے نظر ہی نہیں آئیں۔" وہ اسے دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرایا۔

"میں تو یہیں ہوں۔ تم شاید کچھ بزی تھے۔" وہ اس کے جواب پر سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولا تھا۔

"ہاں خیر' یہ بات بھی صحیح ہے، اچھا تم ذرا میرے کمرے میں تو آؤ۔ ممی نے تمہارے لیے ایک چیز بھیجی ہے۔" انہیں آپس میں مصروف دیکھ کر رباب اپنا کام کرنے لگی تھی۔

وہ دانیال کے ساتھ اس کے کمرے میں آئی تو اس نے آنٹی کا اس کے لیے بھیجا جانے والا سوٹ اسے پکڑایا "پتا نہیں ممی کیا کہہ رہی تھیں کہ کہاں سے خریدا ہے اور کہاں سے بنوایا ہے۔۔۔۔ وہ سب مجھے یاد نہیں۔ بہر حال میرے ذمے یہ تم تک پہنچانے کا کام تھا سو وہ میں نے پورا کر دیا۔" وہ آنٹی کی محبت پر خوش ہوتی اسی وقت دانیال ہی کے کمرے سے انہیں شکریہ کا فون کرنے بیٹھ گئی تھی۔

"بہت اچھا لگے گا تم پر فیروزی رنگ۔ حمنی کی انگیجمنٹ والے دن تم یہی سوٹ پہن کر آنا۔" انہوں نے اس کے شکریہ کے جواب میں کہا تھا۔

www.Paksociety.com

* * * *

امبر کی بہن کی شادی ہونے والی تھی۔ وہ اخراجات کی وجہ سے پریشان تھی۔ حجاب اور غالب نے اس کی پریشانی دیکھتے ہوئے اسٹاف کے لوگوں کو شامل کر کے ایک بیسی ڈالنے کا پروگرام بنایا تھا۔ غالب اسی کام کے لیے سب لوگوں سے پوچھتا پھر رہا تھا کہ کون کون بیسی ڈالنے میں انٹرسٹڈ ہے۔ اذما نے سنتے ہی امبر کی مدد کے خیال سے فوراً'' ہامی بھر لی تھی۔

''آپ ڈالیں گی بیسی مس رباب؟ ہمارے پاس ایک بندہ کم پڑ رہا ہے۔'' غالب نے ڈرافٹس مین کو کچھ سمجھاتی رباب کو مخاطب کیا۔ وہ ڈرائنگ بورڈ پر سے نظریں ہٹا کر غالب کی طرف متوجہ ہوتی تھی۔

'' تیس ہزار روپے کی بیسی ہے۔ ہر مہینہ ہزار روپے دینے ہوں گے۔ ہزار روپے ہر مہینہ نکالنا تو ویسے بھی مشکل نہیں ہوتا۔ ہاں یہ ہے کہ پہلی دونوں بیسیاں مس امبر کو ملیں گی۔ اس کے بعد جو نمبر آپ چاہیں آپ کو مل جائے گا۔'' وہ اس کے جواب دینے سے پہلے مزید تفصیلات بتانے لگا تھا۔

اذما اور حجاب بھی اس وقت ڈرائنگ سیکشن میں ہی موجود تھیں اور مسز اختر کے ساتھ ایک پراجیکٹ ڈسکس کر رہی تھیں۔

''کوئی لاکھ دو لاکھ روپے ہوتے تو میں سوچتی بھی۔ صرف تیس ہزار روپوں کے لیے اتنے مہینے انتظار کروں۔ اتنے پیسے تو میں کھڑے کھڑے اپنے سردیوں یا گرمیوں کے کپڑے بنانے پر خرچ کر دیتی ہوں۔ نہیں بھئی، یہ بیسیوں ویسیوں کی مڈل کلاس سوچ میں نہیں پالتی۔ میری طرف سے سوری۔'' رباب کی بات سن کر کچھ فاصلے پر اپنے کام میں مصروف امبر کے چہرے پر عجیب سی خفت اور احساس کمتری کا تاثر ابھرا تھا۔

غالب نے بڑی ناپسندیدہ نظروں سے رباب کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ بولتا اذما جلدی سے ان دونوں کے پاس آ گئی۔

''ایک بندہ کم پڑ رہا ہے ناں۔ تم میری دو بیسیاں ڈال لو۔'' وہ رباب کی بات کا اثر زائل کرنے کے لیے خوش دلی سے مسکرا کر بولی۔ رباب کندھے اچکا کر دوبارہ ڈرافٹس مین کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''آپ کی دوست آپ سے بہت مختلف نیچر کی ہیں۔'' کچھ دیر بعد جب ان لوگوں کے کمرے میں وہ، غالب اور حجاب بیٹھے بیسی ہی کے بارے میں بات کر رہے تھے' غالب نے اس سے کہا۔

اسے خود بھی رباب کا انداز اور اس کی بات پسند نہیں آئی تھی مگر اب اس وقت دوست کا دفاع کرنا بھی ضروری تھا اس لیے فوراً'' بولی۔

''نہیں غالب! وہ بہت اچھی عادتوں کی مالک ہے۔ بس ذرا تھوڑی سی آؤٹ اسپوکن ہے۔ صاف گوئی سے بغیر لگی لپٹی رکھے بات کرتی ہے۔ اسی لیے اکثر لوگ اسے مس انڈراسٹینڈ کر جاتے ہیں۔ ورنہ نیچر کی وہ واقعی بہت اچھی ہے۔''

جب آپ کسی سے محبت کرتے ہیں تو یونہی اس کی خامیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ خود اپنا دل اس خامی کو تسلیم کر رہا ہوتا ہے مگر چاہتے ہیں کہ دوسرا کوئی اسے برا نہ سمجھے۔

''ہونہہ! اچھی نیچر کی۔ ایسی اچھی نیچر کا کیا کرنا جو کسی کا دل دکھانے کا باعث بنے۔ ایسے تو بیسیوں کی ضرورت نہ مجھے ہے۔۔۔۔۔۔ نہ آپ کو اور نہ ہی مس حجاب کو۔ وہ اگر انکار کرنا ہی چاہتی تھیں تو کم از کم الفاظ تو کچھ مناسب استعمال کر لیتیں۔'' اسے پتا تھا۔۔۔ غالب۔۔۔ امبر کے ساتھ بہت زیادہ مخلص ہے اور اسی لیے اسے رباب کا انداز سخت ناگوار گزرا ہے۔ حجاب کچھ بولی تو نہیں تھی مگر تاثرات اس کے چہرے پر بھی یہی تھے۔

''جب انکل نے آپ کو اپائنٹ کیا تھا تو میرا اور مس حجاب کا خیال تھا کہ آپ کوئی بہت مغرور اور نخریلی قسم کی لڑکی ہوں گی۔ جو خود کو ہم لوگوں سے کچھ اونچی ہستی تصور کرتی ہوں گی اور اگر آپ ایسا کرتیں تو کوئی حیرت

کی بات بھی نہیں تھی۔ آپ دانیال بھائی کی منگیتر ہیں۔ یہ آپ کے سسر کی فرم ہے۔ آپ یہاں کوئی ہماری طرح ملازم نہیں ہیں۔ مگر آپ اتنی سادہ اور پر خلوص سی ہیں۔ سب سے یہاں تک کہ عمران سے بھی محبت اور اپنائیت کے ساتھ بات کرنے والی اور وہ آپ ہی کی دوست ہو کر اتنی مغرور اور بد تمیز۔ کھڑے کھڑے تیس ہزار روپوں کی شاپنگ کر لیتی ہوں۔" وہ رباب کے لہجے کی نقل اتارتا بڑے غصے سے بول رہا تھا۔

(وہ ایسی نہیں تھی غالب! میں خود حیران ہوں کہ اسے ہو کیا گیا ہے) وہ غالب کی بات کے جواب میں کچھ نہیں بول پائی لیکن لنچ کے بعد جب اسے رباب سے اکیلے میں بات کرنے کا موقع ملا تو وہ اسے صبح کی بات پر ٹوکے بغیر نہیں رہ پائی تھی۔

"تو میں بلاوجہ کیوں ایسے جھنجھٹ میں پڑوں جبکہ مجھے کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔" وہ کمپیوٹر پر کام میں مصروف لاپروائی سے بولی تھی۔

اس وقت وہ دونوں دانیال کے کمرے میں تھیں۔ وہ دانیال کو ڈھونڈتی یہاں آئی تھی۔ رباب پہلے سے وہاں کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہی تھی۔ آج کل وہ دانیال کے ساتھ مل کر کوئٹہ میں آرمی آفس کے کسی رہائشی منصوبے پر کام کر رہی تھی۔ دانیال کمرے میں موجود نہیں تھا۔

"اور یہ تم چھوٹی چھوٹی باتوں کو ایشو بنا کر ان پر اس طرح سوچ کر اپنا وقت مت برباد کیا کرو جب اس کی بہن کی شادی کا وقت آئے گا تو میں جو ہو سکا وہ کر دوں گی اس کے لیے۔" وہ کی بورڈ پر انگلیاں چلاتی چیونگم چباتی ہوئی بولی تھی۔ اسے رباب کی اس بات سے بہت دکھ ہوا تھا۔

"وہ بہت خوددار لڑکی ہے رباب! اس طرح وہ کبھی بھی کسی سے مدد نہیں لے گی۔ جب تو حجاب اور غالب نے یہ بات سوچی تھی اور تم ڈھنگ سے بھی منع کر سکتی تھیں۔ تمہارا کہنے کا انداز اچھا نہیں تھا۔ یقیناً" وہ ہرٹ ہوئی ہو گی۔" وہ اپنی بات پر زور ڈالتی اسے سمجھانا چاہ رہی تھی۔

"ختم کرو اب اس ٹاپک کو اذما۔ اور تمہاری یہ بلاوجہ ہر ایرے غیرے کو گلے کا ہار بنانے والی عادت سے میں سخت تنگ ہوں۔ آدمی کو دوستی اپنی حیثیت اور مرتبہ کے لوگوں سے کرنی چاہیے۔ یہ ڈرافٹس مین قسم کے لوگوں کی فکر میں مبتلا رہنا کیا تمہیں اور مجھے سوٹ کرتا ہے۔" وہ پرنٹر آن کرتے ہوئے ایک نظر اس پر ڈال کر بولی۔

"اگر ہمارا اسٹیٹس اور ہمارا معیار زندگی دوسروں سے بلند ہے تو ہمیں اس پر فخر اور غرور میں مبتلا ہونے کے بجائے اس پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ جس کو خدا نے یہ سب نہیں دیا ہے تو وہ بھی ہمارے ہی جیسا انسان ہے۔ ہمارے پاس اگر کچھ غیر معمولی ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ کے کرم کی وجہ سے ہے۔ غرور اور تکبّر اللہ کو بالکل پسند نہیں۔" وہ رباب کے انداز پر سخت کوفت اور غصہ محسوس کرتی اپنا اشتعال چھپا نہیں پائی تھی۔

"اب تم یہ درس دے دے کر مجھے بور کرو گی۔ اچھا تمہارا جو جی چاہتا ہے وہ کرو اور مجھے وہ کرنے دو جو میں کرنا چاہتی ہوں۔ میں ان چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھ کر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی۔" وہ بحث سمیٹتے ہوئے دوٹوک انداز میں بولی۔

"ہاں۔ کسی کا دل دکھا دینا تو بہت چھوٹی سی بات ہے اور اس پر وقت کون ضائع کرے۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ آپ اونچی اونچی بلڈنگز اور بڑے بڑے فلائی اوورز ڈیزائن کریں۔" ابھی رباب اس کے طنزیہ انداز کا کوئی جواب دے نہیں پائی تھی کہ دانیال اندر داخل ہوا۔ دانیال کو دیکھ اس نے اپنا موڈ فوراً" ٹھیک کر لیا تھا" وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسے یہ بات معلوم ہو کہ وہ دونوں کسی بات پر آپس میں الجھ رہی تھیں۔

"میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہی تھی دانیال۔" وہ اس کی بات سن کر شرارت سے مسکرایا۔

"بڑی خوش قسمتی ہے میری اتنے بڑے بڑے لوگ مجھے ڈھونڈنے لگے ہیں۔" رباب اپنا کام روک کر ان

دونوں ہی کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ دیکھو یہ حمنی آرکیڈ میں کچھ مسئلہ ہو رہا ہے۔۔۔ کورڈ ایریا میں کچھ گڑبڑ ہے۔ ذرا تم چیک کر لو۔" وہ ڈرائنگ کھول کر میز پر رکھتے ہوئے دانیال سے بولی تھی۔

"اتنے معمولی سے کام کے لیے تم دانیال کے پاس آئی ہو۔ اول تو یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اتنا سا کام تو تمہیں خود ہی کر لینا چاہیے۔ نہیں تو یہ ایریا وغیرہ تو کوئی ڈرافٹس مین بھی نکال سکتا ہے۔" وہ رباب کے استہزائیہ انداز پر سکتے کی سی کیفیت میں کھڑی رہ گئی۔ کیا رباب کبھی اس کے ساتھ اس لہجے میں بھی بات کر سکتی ہے؟

"اذما کی کوئی بات میرے لیے معمولی نہیں۔ ہر وہ بات جو اذما سے وابستہ ہے۔۔۔ میرے لے بھی اتنی ہی اہم ہے۔ جتنی اس کے لیے۔ اور جب میں ہوں تو وہ کسی اور کے پاس کیوں جائے۔"

کتنا اچھا لگا تھا اسے اس پل دانیال کا یہ انداز۔ کتنے دوٹوک انداز میں اس نے رباب کو جواب دیا تھا اور اب ڈرائنگ کی طرف توجہ دیے اس کا مسئلہ حل کرنے میں مصروف تھا۔ رباب کی باتوں سے اس کا جتنا بھی دل دکھا تھا۔ وہ ساری دکھن صرف ایک لمحہ میں غائب ہو گئی تھی۔

وہ کمرے سے باہر آئی تو رباب کا کوئی طنزیہ فقرہ اسے یاد نہیں تھا۔ یاد تھا تو صرف اتنا کہ وہ دانیال عابد کے لیے ساری دنیا میں سب سے اہم ہے۔

* * *

"رباب روزانہ چھٹی کے بعد دیر تک رکتی ہے۔" آفس سے باہر نکلتے ہوئے حجاب نے اس سے کہا۔ تقریباً" پندرہ بیس روز سے رباب چھٹی کے بعد ان لوگوں کے ساتھ نہیں جا رہی تھی۔

"وہ دانیال کے ساتھ کوئٹہ والے پروجیکٹ پر کام کر رہی ہے ناں۔ ہے بھی تو خاصا بڑا پروجیکٹ۔ کافی محنت کر رہے ہیں وہ دونوں اس پر۔ بلکہ کل تو انکل مجھ سے رباب کی بہت تعریف کر رہے تھے کہہ رہے تھے۔ کہ

رباب ایکسٹرا اوڈینری خوبیوں اور صلاحیتوں کی مالک ہے۔ اور جب دو جینئس مل جائیں تو پھر تو جو آفت نہ آ جائے کم ہے۔ دونوں ہی بہت جینئس اور جدّت پسند ہیں۔"

حجاب نے ایک بہت گہری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہے مگر پھر اس نے سر کو جھٹک کر جیسے خود کو کچھ بھی بولنے سے باز رکھا تھا۔ وہ اس کے انداز پر ایک لمحہ کے لیے چونکنے کے بعد دوبارہ کوئٹہ کے پراجیکٹ کے بارے میں باتیں کرنے لگی۔

"دانیال بھی بڑا پرجوش ہے۔ اس پراجیکٹ کے سلسلے میں۔ کہہ رہا تھا شاید آج کل میں اسے کوئٹہ جانا بھی پڑے گا۔ وہ خود تو سائٹ دیکھ کر آ چکا ہے۔۔ مگر اس مرتبہ شاید رباب بھی ساتھ جائے گی۔"

حجاب نے بغیر کوئی جواب دیے صرف سر ہلا دیا۔ اس روز کی باتوں کے حوالے سے اس کے اور رباب کے درمیان دوبارہ کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ دوستوں کی کوئی برائی یا خامی زیادہ دنوں تک یاد نہیں رکھتی تھی۔ اس لیے اس بات کو فوراً" ہی بھول بھی گئی

تھی۔

پھر اگلے روز اسے دانیال سے پتا چلا تھا کہ وہ اور رباب پرسوں کوئٹہ جا رہے ہیں۔ رباب کا آج کل دن کا بیشتر وقت دانیال ہی کے کمرے میں اس کے ساتھ کام کرتے ہوئے گزرتا تھا۔ صبح کی فلائٹ سے وہ دونوں گئے تھے اور شام میں واپس بھی آ گئے تھے۔ تقریباً" سات ساڑھے سات بج رہے تھے۔ اکثر لوگ چلے گئے اسے صابر صاحب نے روک لیا تھا۔ اسی لیے وہ صابر صاحب، غالب اور دو ڈرافٹس مینوں کے ساتھ ابھی تک موجود تھی۔

"اتنا تھک کر بجائے گھر جانے کے تم لوگ آفس آ گئے۔" صابر صاحب نے ان دونوں کو دیکھ کر حیران ہو کر پوچھا تھا۔

"میرا تو گھر جانے ہی کا ارادہ تھا۔۔۔ لیکن یہ لڑکی واقعی کریزی ہے۔ پیچھے لگ گئی کہ ابھی چل کر تھوڑا سا کام کرتے ہیں۔" دانیال نے ہنستے ہوئے رباب کی طرف اشارہ کیا۔ رباب بھی جواباً" ہنس پڑی۔

"تم ابھی تک گئیں نہیں۔" دانیال اس سے مخاطب ہوا۔

"میں نے روک لیا تھا۔۔۔ بس تھوڑی دیر میں فارغ ہو جائیں گی مس اذما۔" صابر صاحب نے اس سے پہلے ہی جواب دے دیا۔ وہ گردن ہلاتا رباب کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"میں ڈراپ کر دوں آپ کو یا آپ دانیال کے ساتھ جائیں گی۔" پندرہ بیس منٹ میں جب وہ لوگ فارغ ہوئے تو صابر صاحب نے اس سے پوچھا۔

"شکریہ۔ میں دانیال کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" اس کے جواب پر وہ خدا حافظ کہتے وہاں سے نکل گئے تھے۔ ڈرافٹس مین بھی جانے کے لیے اٹھ گئے تھے۔ غالب، عمران کو آواز دے کر لائٹس وغیرہ بند کرنے کے لیے ریسپشن کی طرف چلا گیا تھا جبکہ وہ دانیال کے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ دونوں کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ کی بورڈ اور ماؤس دانیال کے ہاتھ میں تھا جبکہ رباب مانیٹر پر نظریں جمائے کوئی بات کر رہی تھی۔ بہت مگن سے بیٹھے ہوئے تھے وہ دونوں۔ اس کے آنے کا بھی انہوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

"کتنی دیر لگے گی دانیال تمہیں؟" وہ اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ دانیال نے کچھ چونک کر ایک دم اس کی طرف دیکھا۔

"ہمیں تو ابھی کچھ دیر لگے گی۔ تم ایسا کرو۔۔۔ صابر انکل یا غالب کے ساتھ چلی جاؤ۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"دانیال سارا مسئلہ اس پیسیج کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے۔ آرکیٹیکٹ سے فون کر کے پوچھو کہ کیا یہاں پیسیج کی موجودگی ضروری ہے۔" رباب نے مونیٹر سے نظریں ہٹا کر دانیال سے کہا تو وہ دوبارہ رباب کی طرف متوجہ

ہو گیا تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ غالب ریسپشن میں صوفے پر اونگھ رہا تھا۔

"چلیں۔۔۔۔ میں چھوڑ دوں آپ کو۔" اسے آتا دیکھ کر وہ اٹھ گیا۔

"دانیال تو بزی ہے۔ میرا خیال ہے۔ تم ہی ڈراپ کر دو مجھے۔"

اسے محسوس ہوا کہ وہ زبردستی مسکرائی ہے۔ پتا نہیں کیوں اسے خوش فہمی سی تھی کہ دانیال اس کی خاطر سب کچھ چھوڑ کر فوراً" اٹھ جائے گا۔ مگر جب وہ غالب کے برابر گاڑی میں بیٹھی تو اسے احساس ہوا کہ دانیال نے تو کمرے سے باہر نکل کر یہ تک نہیں دیکھا تھا کہ وہ صابر انکل اور غالب میں سے گئی کس کے ساتھ ہے اور یہ کہ کسی کے ساتھ گئی بھی ہے یا نہیں۔۔۔۔۔ کہیں اتنی شام گئے اکیلی تو نہیں نکل گئی گھر جانے کے لیے۔

"آپ بہت سادہ ہیں مس اذما! پلیز خود کو چینج کر لیں۔ سادگی، مروت، اخلاق، خلوص، رواداری وغیرہ بڑی آؤٹ ڈیٹڈ قسم کی چیزیں ہو چکی ہیں۔ اس دور میں جو ان قدروں کو سینے سے لگائے پھرتے ہیں۔۔۔۔ انہیں دنیا روندتی ہوئی گزر جاتی ہے۔"

الب جیسے لاابالی لڑکے کے منہ سے اتنی سنجیدہ بات سن کر وہ حیران رہ گئی۔ "مجھے آپ بہت اچھی لگتی ہیں۔ بالکل بڑی بہنوں جیسی۔ شاید اس لیے کہ میری کوئی بہن نہیں۔ میری دعا ہے کہ آپ کبھی کہیں ہرٹ نہ ہوں۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو غالب؟" وہ اس کی باتوں میں چھپے معنی تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے کی بات اور اب غالب کا نہ سمجھ میں آنے والا انداز وہ الجھ سی گئی تھی۔ وہ اس کی حیران سی شکل دیکھ کر ہنس

پڑا۔

"کچھ نہیں کہنا چاہ رہا میں۔ اچھا یہ بتائیں آپ کے گھر آج میں پہلی مرتبہ جاؤں گا' آپ میری کیا خاطر کریں گی۔"

"اب تو ڈنر ٹائم ہونے والا ہے۔ امی تمہیں کھانا کھائے بغیر اٹھنے ہی نہیں دیں گی۔" وہ جواباً" مسکراتے ہوئے بولی۔

پھر ہوا بھی یہی تھا۔ امی اور بابا نے غالب کو کھانے پر روک لیا تھا۔ رات گئے تک وہ دانیال کے فون کی منتظر رہی تھی۔ شاید وہ فون کرے گا یہ پوچھنے کے لیے کہ وہ خیریت سے پہنچ گئی؟ اسے کس نے ڈراپ کیا؟ مگر اس کا انتظار۔۔۔انتظار ہی رہا تھا۔ اگلے روز آفس میں سامنا ہونے پر بھی اس نے کل کی کسی بات کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔

"تم نے تو کہا تھا۔۔۔ میں تمہارے لیے ساری دنیا میں سب سے اہم ہوں اور تم میرے دل کی ہر بات فوراً جان لیتے ہو۔" اس نے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا جبکہ وہ اس کی نگاہوں سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھا۔

"چلو بھئی دانیال! سائٹ پر نہیں چلنا کیا؟" رباب ایک دم سے زور زور سے بولتی اندر آئی تھی۔ دانیال اسے دیکھتے ہی اپنی سیٹ سے اٹھ گیا تھا۔

"ہاں واقعی۔ دیر ہو گئی۔ کلائنٹ انتظار کر رہا ہو گا۔"

اسے ایسا لگا وہ اچانک پس منظر میں چلی گئی ہے۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئے تھے۔ اپنی تمام سوچوں اور الجھنوں کو جھٹکتی وہ واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اپنے دل کی اداسی پر الٹا اس نے خود کو ہی لتاڑا تھا۔

"کیا میں ٹین ایجرز کی طرح بی ہیو کرنے لگتی ہوں۔ وہ اتنے اہم کام میں مصروف ہے اور میں جاہلوں کی طرح الٹے سیدھے شکوے کرنے لگتی ہوں۔ کام کے وقت وہ کام کرے گا یا میرے ساتھ عشق بگھارے گا۔"

اپنی جاہلانہ سوچ پر اس نے خود کو کافی دیر تک برا بھلا کہا تھا۔ مگر وہ شاید پڑھ لکھ کر بھی جاہل ہی رہ گئی تھی جو ہر روز خود کو سمجھاتی اور پھر اگلے ہی روز دوبارہ دل میں کوئی شکوہ لیے گھر واپس لوٹتی۔

اس روز وہ اور بشریٰ نماز پڑھنے کے لیے لنچ ٹائم میں دانیال کے کمرے میں آئیں تو وہ دونوں بہت سی ڈرائنگز اور کاغذات میز پر پھیلائے کام میں بری طرح الجھے ہوئے تھے۔

"لنچ ٹائم ہو گیا ہے۔ اب تو تم لوگ کچھ دیر ریسٹ کر لو۔" وہ ان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

"آج تم لوگ اپنے کمرے میں نماز پڑھ لو۔ بہت اہم کام ہے۔ آج ہی مکمل کرنا ہے۔ کلائنٹ کو پانچ بجے کا ٹائم دے رکھا ہے دانیال نے۔" دانیال نے تو اس کی بات پر سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ رباب نے البتہ کاغذوں پر سے نظریں اٹھا کر اسے جواب دیا تھا۔

پتا نہیں کیوں اس پل اس کا دل چاہا کہ وہ رباب کو اور تمام ڈرائنگز کو وہاں سے غائب کر دے اور دانیال کے سامنے بیٹھ کر کہے کہ "جب تم میرے علاوہ کسی اور چیز میں چاہے وہ ایک معمولی سی ڈرائنگ ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ دلچسپی لیتے ہو تو میرا دل چاہتا ہے اسے آگ لگا دوں۔"

پھر وہی امیچیور اور بچکانہ سی سوچ۔ آخر اس میں پروفیشنلزم کب پیدا ہو گا۔ کب وہ اس بے کار سی جذباتیت سے پیچھا چھڑائے گی۔ وہ ایک مرتبہ پھر خود سے خفا ہو گئی تھی۔

* * * *

دانیال! آج میں بہت مزے کا پاستا بنا کر لائی ہوں۔ لنچ کے وقت کسی سائٹ پر مت چلے جانا۔" اس نے صبح ہی صبح دانیال کو بڑی خوشی خوشی اطلاع دی تھی۔

دانیال کو اٹالین ڈشز پسند تھیں اور اسی لیے وہ صبح صبح کچن میں گھس کر پاستا بنا کر لائی تھی۔ پتا تھا وہ اپنی فیورٹ ڈش وہ بھی ازما کے ہاتھوں کی بنی ہوئی کا نام سن کر خوش ہو جائے گا۔ دانیال نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا تھا۔ مگر لنچ سے کچھ پہلے وہ صابر صاحب اور رباب کے ساتھ سائٹ پر چلا گیا تھا۔

وہ اس کے جانے پر تھوڑی اداس تو ہوئی پھر یہ سوچا کہ وہ واپس آکر لنچ کرلے گا۔ مگر چار بجے جب وہ لوگ واپس آئے تو لنچ باہر ہی سے کر آئے تھے۔ اس کے سامنے عمران نے ڈرائنگ سیکشن میں دانیال اور صابر صاحب سے آکر کھانے کا پوچھا تھا۔

"کھانا تو ہم لوگوں نے سائٹ سے واپسی میں کھا لیا تھا۔" دانیال نے اسے جواب دیا تھا اور پھر دوبارہ صابر صاحب سے گراؤنڈ فلو کی پلاننگ ڈسکس کرنے لگا تھا۔

اس رات وہ سب سے چھپ کر گھنٹوں روئی تھی۔

* * *

عجیب سی ایک عادت تھی اس میں۔۔۔ جو چیز اسے اچھی لگے۔۔۔ وہ کسی بھی طرح اور کسی بھی قیمت پر اسے مل جائے۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھی جو اپنی منشا کے خلاف کچھ ہو جانے پر اسے تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کرلیتے۔ ماں باپ کا بے تحاشا لاڈ پیار اور اس کی کبھی کوئی خواہش رد نہ کرنے پر اس کی یہ عادت مزید پختہ ہو گئی تھی۔

اسے اپنے تمام تر خوبیوں کا بڑی اچھی طرح اندازہ تھا۔۔۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بہت خوبصورت ہے۔۔۔ خوب صورت لڑکیاں عموماً" ذہین نہیں ہوتیں لیکن وہ بے تحاشا ذہین بھی ہے اور اس کی شخصیت میں جو بات سب سے مختلف تھی جو اسے عام لڑکیوں کے درمیان ممتاز کرتی تھی وہ اس کا اعتماد تھا۔ وہ اتنی بولڈ اور کانفڈینٹ تھی کہ اکثر مرد رشک سے اور خواتین حسد سے اس کی طرف دیکھا کرتی تھیں۔

اسے اپنی اہمیت دوسروں سے تسلیم کروانی بھی آتی تھی۔ اپنے معیار سے کم وہ کبھی کسی چیز کے لیے راضی نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ یونیورسٹی لائف کے دوران جن بے شمار لوگوں نے اس کی طرف پیش قدمی کی۔۔۔ وہ ان میں سے کسی کی بھی حوصلہ افزائی نہ کرسکی۔ اس کا آئیڈیل مرد اسی کی طرف منفرد قسم کا تھا۔ جب وہ زندگی کی عام سی چیزوں کے لیے کبھی کمپرومائز نہ کرسکی تھی تو پھر جسے اس نے اپنے لائف پارٹنر کے طور پر چننا تھا وہ کوئی عام سا آدمی کیسے ہو سکتا تھا۔

اس کا مسئلہ صرف پرسنیلٹی، تعلیم اور اسٹیٹس نہیں تھا بلکہ کچھ اور۔ وہ سب سے مختلف ہو۔۔۔ عام لوگوں کے درمیان منفرد، بالکل اس کی طرح۔ اس میں بھی اسی کی طرح لیڈرشپ والی خصوصیات ہوں۔ وہ بھی ہر جگہ فوراً" چھا جانے کی خصوصیت رکھتا ہو۔ جس جگہ وہ ہو لوگ اسے نظر انداز نہ کرسکیں۔ وہ لوگوں میں بالکل اسی طرح مقبول ہو جیسے کوئی لیڈر۔ یہاں تک کہ جو لوگ کسی وجہ سے اسے ناپسند کرتے ہوں۔۔۔ اندر ہی اندر وہ بھی اس کی خوبیوں کے معترف ہوں اور ایسا شخص اسے ملا تھا تو کہاں۔

دانیال کی جو تصاویر ازما نے اسے ای۔ میل کی تھیں انہیں دیکھ کر اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا مگر جب وہ پہلے روز ازما کے ساتھ آفس آئی اور انکل کے کمرے میں بیٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگی۔۔۔ تو کچھ ہی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھول کر جو ایک شخص اندر آیا تھا اس نے اس کے دل کو آن واحد میں تسخیر کر لیا تھا۔ کیسی تمکنت اور غرور سا جھلکتا تھا اس کی آنکھوں سے۔ مضبوطی سے قدم اٹھاتا۔۔۔ یوں جیسے اس کے لیے ساری دنیا میں اپنے سے بڑھ کر اہم اور کوئی نہیں۔ اس کے اندر آتے ہی باقی تمام لوگ پس منظر میں چلے گئے تھے۔

کمرے کی سجاوٹ اور آرائشی اشیاء جنہیں کچھ دیر پہلے تک وہ ستائشی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔۔ اچانک ہی غیر اہم سی لگنے لگی تھیں۔

"یہی ہے وہ۔" اس کے دل سے صدا ابھری تھی۔ اور پھر "یہی ہے وہ۔" کی یہ صدا ہر لمحہ اور ہر ساعت اس

کے دل سے ابھرنے لگی تھی۔ پہلے پہل اس سوچ کو اس نے جھٹکنے کی کوشش کی تھی۔۔ مگر مسلسل ابھرتی "یہی ہے وہ۔" کی آواز کو وہ زیادہ دیر نظر انداز نہیں کر پائی تھی۔

کیا تھا ایسا اذما مقصود میں جو وہ اتنا غیر معمولی سا بندہ اس کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اسے اذما کے نصیب پر رشک آیا تھا۔ اس بے وقوف کو تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ قسمت کی خوبی سے کیسا نادر و نایاب ہیرا اس کی جھولی میں آ گرا ہے۔ اسے تو اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہی نہیں تھا۔۔ بالکل ایسے جیسے کسی غریب کو اچانک کہیں سے کوہ نور ہیرا مل جائے اور وہ بجائے اس کی قدر پہچاننے کے بس اسے اپنے پاس رکھ کر خوش ہوتا رہے۔ ہر چیز اپنی جگہ پر اچھی لگتی ہے۔ ہیرے کی صحیح جگہ وہ ہے جہاں اس کی قدر پہچاننے والے قدر دان موجود ہوں۔

اور وہ شخص جسے دیکھ کر اس کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔۔۔ دیوانہ تھا اس عام سی لڑکی کا۔ وہ عام سی اذما مقصود۔ جسے اسکول اور کالج کے دنوں میں۔۔۔ جب وہ دونوں ساتھ ہوتی تھیں تو کوئی غیر معمولی اہمیت بھی نہیں دیتا تھا۔ رباب کے ہوتے اسے کوئی اہمیت دے بھی کیسے سکتا تھا۔ اسے اپنے پڑھنے کے لیے حیدر آباد جانے پر افسوس ہوا تھا۔ اگر وہ یونیورسٹی میں اذما کے ساتھ ہوتی تو دانیال عابد اس جیسی خاص لڑکی کو نظر انداز کر کے اذما کی طرف متوجہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ کیسی اس کے دل کو ٹھیس پہنچی تھی جب پہلے دن اس کے آفس آنے پر وہ ایک نگاہ بھی اس پر ڈالے بنا اذما کی طرف متوجہ رہا تھا۔ یوں جیسے وہ وہاں تھی ہی نہیں۔ کب اس سے پہلے اسے اس طرح کسی نے نظر انداز کیا تھا۔ وہ کبھی کہیں نظر انداز نہیں ہوئی تھی۔

وہ جہاں جاتی لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ اس کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ پھر جب وہ اذما کے ساتھ اس کے پاس گئی تو اسے اندازہ ہوا کہ اس شخص کو اپنی ذہانت سے جیتا جا سکتا ہے اور پھر اس نے یہی کیا تھا۔

اسی روز شام تک اس نے سوئمنگ پول ڈیزائن کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ اس کی ذہانت اور قابلیت سے متاثر نظر آیا

تھا اور پھر وہ اپنی ذہانت، قابلیت اور خود اعتمادی کا گھیرا اس کے گرد تنگ کرتی چلی گئی۔ ایسا کرتے ہوئے کبھی کوئی ملال نہیں جاگا تھا اس کے اندر۔ اس جیسا مجھے کوئی دوسرا نہیں مل سکتا۔ شاید دوبارہ کبھی کسی کے لیے میرے دل سے "یہی ہے وہ۔" کی آواز نہیں آئے گی اور میں زندگی محرومیوں کے ساتھ نہیں گزار سکتی اور یہ احساس مزید شدید اس روز ہوا تھا جب وہ اور اذما آپس میں بحث و تکرار کر رہی تھیں۔

وہ جس طرح اسٹاف کے تمام لوگوں میں مقبول تھی۔ سب اسے چاہتے تھے۔۔۔ اس سے اسے چڑ تھی۔۔۔ سب کی محبتوں کا پس منظر اسے اچھی طرح معلوم تھا۔ وہ دانیال عابد کی ہونے والی بیوی ہے اور دانیال عابد اس فرم کا آنے والے دنوں میں مالک مختار ہے۔ سو لوگوں کو اس سے محبت کرنی ہی تھی۔ مگر جب دانیال اسے نظر انداز کیے محبت بھری نگاہیں اذما کے چہرے پر جما کر یہ بولا تھا کہ

"اذما کی کوئی بات میرے لیے معمولی نہیں۔ ہر وہ بات جو اذما سے وابستہ ہے۔۔۔ میرے لیے بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی اس کے لیے۔ اور جب میں ہوں تو وہ کسی اور کے پاس کیوں جائے۔"

تو اسے بہت شدید ہتک کا احساس ہوا تھا۔ یہ جملے تو ان لبوں سے اس کے لیے ادا ہونے چاہیے تھے۔ کیا کبھی ایسا ہوا تھا کہ کوئی اسے نظر انداز کرے۔۔۔ اسے رباب سلیم کو اور اس کے آگے اس عام سی ذہانت رکھنے والی اذما مقصود کو اہمیت دے۔

"ان لبوں سے یہی جملے ایک روز میرے لیے ادا ہوں گے اور یہی پیار بھری نظریں میرے لیے ہوں

گی۔" اس نے پھر کہا تھا۔

اسے اتنے دنوں میں اندازہ ہو چکا تھا کہ دانیال کو بولڈ اور ذہین لڑکیاں اٹریکٹ کرتی ہیں اور اس کے اندر تو یہ خوبی پیدائشی تھی۔ اپنی اس خوبی کو اس نے اس کے آگے مزید نمایاں کیا۔ اس سے پہلے آگے بڑھ کر وہ کلائنٹس سے بات کر لیتی۔ بڑے بڑے مسائل چٹکیوں میں حل کر لیتی۔ عورت کو مرد جیتنا آنا چاہیے اور

جس عورت کے پاس یہ خوبی ہو۔۔۔وہ بڑے سے بڑے شہنشاہ کا دل بھی فتح کر سکتی تھی۔جب وہ دونوں ساتھ کوئٹہ گئے اور بہت سا وقت ایک ساتھ گزارنے کا انہیں موقع ملا تو اس موقع سے اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

دانیال کے سامنے اپنی ہر خوبی اور ہر وہ ادا نمایاں کی تھی جو اسے متاثر کر سکتی تھی۔وہ یہ جنگ جیتنا چاہتی تھی کسی بھی قیمت پر۔اور اسے جیتنے کا یقین بھی تھا۔وہ زندگی میں کبھی ہاری نہیں تھی اور اب کی بار تو مقابل اذما مقصود تھی جس کی تمام عادتوں سے وہ شروع ہی سے واقف تھی۔اس بے وقوف سے تو یہ جنگ لڑی ہی نہیں جائے گی۔وہ تو بڑے آرام سے اپنی شکست قبول کر کے کہیں کسی کونے میں بیٹھ کر آنسو بہالے گی اور اسے اذما کے رونے سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

اتنی خود غرضی وہ اپنے لیے جائز سمجھتی تھی اور پھر اس نے کیا ہی کیا ہے جس پر وہ افسوس کرے۔اگر اذما میں طاقت ہے تو آئے اپنا منگیتر اس سے واپس چھین لے۔قصور تو خود اذما کا تھا جس سے اپنے خزانے کی حفاظت نہیں کی جاسکی۔دراصل وہ خزانے کی حقدار ہی نہیں تھی۔اس کی مالک تو رباب سلیم جیسی بے مثال لڑکی ہی ہو سکتی تھی۔

اب تو اس کے ممی ڈیڈی بھی حیدر آباد سے آچکے تھے اور وہ لوگ اپنے گھر میں شفٹ ہو گئے تھے۔ایک مرتبہ پھر وہ دونوں برابر برابر گھروں میں رہ رہی تھیں۔مگر اب اس کا اذما مقصود سے ملنے اور بات کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اس ساری بات کے بعد اذما اس کے بارے میں کیا سوچے گی۔وہ اتنی سطحی سی جذباتیت اور فضول سی اخلاقی اقدار کے پیچھے اپنی خوشیوں کی قربانی نہیں دے سکتی تھی۔

* * *

ہفتہ کے دن چھٹی سے کچھ پہلے انکل نے اسے ایک فائل اور کچھ ڈرائنگز پکڑائی تھیں۔

"بیٹا! ذرا انہیں دیکھ لینا۔ارجنٹ کام ہے اور وہ میرے بہت قریبی دوست کا۔وہ اپنے آفس کی Renovation کروانا چاہ رہا ہے۔" وہ ان سے وہ چیزیں لے کر واپس کمرے میں آگئی تھی۔

اپنی تمام درازیں اور الماری وغیرہ لاک کرنے کے بعد جب وہ کمرے سے باہر نکلی تو اسے میز پر رکھی فائل اور ڈرائنگز اٹھانا یاد ہی نہیں رہا تھا۔گھر جا کر بھی اسے فوراً" یاد نہیں آیا تھا کہ وہ اپنی میز پر کیا چیز بھول آئی ہے۔

رات کے کھانے اور نماز سے فارغ ہو کر جب وہ اسے اسٹڈی کرنے کا سوچتی اپنے کمرے میں آئی تو رائٹنگ ٹیبل پر فائل اور ڈرائنگز کی غیر موجودگی دیکھتے ہی اسے یاد آیا کہ وہ دونوں چیزیں تو اٹھانا ہی بھول گئی تھی۔دل ہی دل میں اپنی لاپروائی پر افسوس کرتی وہ صبح آفس جا کر وہ چیزیں لانے کا سوچتی سونے لیٹ گئی تھی۔اتوار کے دن اور کوئی ہو نہ ہو انکل اور دانیال آفس میں ضرور ہوا کرتے تھے۔جن دنوں کوئی خاص کام چل رہا ہوتا تو باقی اسٹاف کو بھی آنا پڑتا تھا۔

بارہ بجے امی کو آفس جانے کا بتاتی وہ گاڑی لے کر نکل گئی تھی۔چوکیدار نے اس کے لیے گیٹ کھول دیا تھا۔اس نے یونہی انکل اور دانیال کی موجودگی کنفرم کی تھی۔حالانکہ گاڑیاں تو کھڑی نظر آرہی تھیں۔

"سر تو نہیں آئے ابھی تک۔ہاں دانیال صاحب آئے ہوئے ہیں اور ان کے دوست ارقم صاحب بھی آئے ہوئے ہیں۔"

ارقم کے آنے کا سن کر وہ سلام دعا کرنے کے ارادے سے سیدھی دانیال کے کمرے کی طرف آگئی تھی۔جب سے جاب کی مصروفیت ہوئی تھی۔یونیورسٹی کے دوستوں سے ملاقات بہت ہی کم ہو پاتی تھی۔

ابھی وہ دروازہ کھول کر اندر گھس بھی نہیں پائی تھی کہ اندر سے آتی دانیال کی آواز نے اسے ٹھٹھک کر رک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"یار! مجھے ایسا لگتا ہے۔۔۔ میں نے اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرتے وقت جلد بازی سے کام لیا ہے۔"

اسی بات نے اسے ٹھٹکنے اور رک جانے پر مجبور کیا تھا۔ دوسری آواز ارقم کی آئی تھی جو کچھ غصہ بھرے انداز میں بولا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا اس بات سے؟ کیا کمی ہے اذما میں۔ اتنی اچھی ہے وہ۔ سوفٹ اسپوکن اور پرخلوص سی۔ پھر تمہیں پچھتاوا کس بات پر ہو رہا ہے۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہا ارقم کہ وہ اچھی نہیں ہے۔ وہ اچھی ہے بلکہ بہت اچھی ہے۔ مگر میرے مزاج کے مطابق نہیں ہے۔ جیسی لڑکی میں چاہتا تھا وہ ویسی نہیں ہے۔ وہ بحثیت ایک دوست اور کولیگ کے تو بہت اچھی ہے مگر جو خوبیاں ایک مرد اپنی محبوبہ اور بیوی میں چاہتا ہے وہ اس میں نہیں۔ عجیب ٹھس اور بے حس سا انداز ہوتا ہے اس کا میری گرم جوشی کے جواب میں۔ کبھی میرے اظہار کے جواب میں اس نے والہانہ انداز میں مجھے اپنی محبت کا یقین نہیں دلایا۔ اس کا میرے ساتھ بھی وہی انداز ہوتا ہے جیسا باقی تمام کولیگز کے ساتھ۔ میرے جیسا پرفیکشنٹ اپنی بیوی میں جو خصوصیات چاہتا تھا۔ وہ اس میں نہیں۔ مجھے بیوی کے روپ میں کوئی سنجیدہ، خاموش اور ریزروسی لڑکی نہیں بلکہ دیوانہ وار چاہت اور بے حساب محبت کا اظہار کرتی محبوبہ چاہیے۔ جو میری گرم جوشی کا اتنی ہی گرم جوشی سے جواب دے سکے۔ اس کے پاس تو میرے لیے کوئی خاص فلینگز ہی نہیں ہیں۔

ایسی عام سی زندگی گزارنے کا تو میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا اور عجیب سی مینٹلیٹی ہے اس کی۔۔۔ وہ میرے برابر میں بے تکلفی سے بیٹھ نہیں سکتی۔۔۔ مجھ سے یوں دور ہٹ کر فاصلے پر بیٹھتی ہے جیسے میں کوئی غیر ہوں۔ کبھی بات کرتے کرتے اگر میں یونہی اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دوں تو وہ گھبرا کر جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لے گی۔ سخت کوفت ہوتی ہے مجھے ایسی باتوں سے۔ میں دنوں فون نہ کروں وہ پلٹ کر مجھے فون

نہیں کرے گی اور اگر کبھی کر بھی لے تو انداز میں وارفتگی اور چاہت کی جگہ ایسی سنجیدگی ہو گی جیسے کوئی رسم نبھا رہی ہو۔ یونہی اخلاقاً" مجھے کال کر لیا ہو۔

وہ میرے ساتھ کہیں بیٹھ کر لنچ یا ڈنر نہیں کر سکتی۔ یہاں تک کہ اگر کبھی آفس میں، میں اور وہ اکیلے ہوں تو وہ میرے ساتھ اکیلے رہے گی نہیں۔۔۔ یوں جیسے میں کتنا ناقابل اعتبار شخص ہوں۔ وہ بعد میں بھی یونہی رہے گی۔ دوست بن کر، اسے محبوبہ بننا آہی نہیں سکتا۔ فضول سی شرم و حیا اور اصولوں کے دائرے میں قید۔"

وہ بہت اکتائے ہوئے انداز میں اپنی بات کی وضاحت کر رہا تھا۔

"یہ سب تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ یاد کرو۔۔۔ اسی لڑکی پر تم دیوانہ وار مرمٹے تھے۔ وہ تب بھی تو ایسی ہی تھی۔" ارقم کا لہجہ ناراضی لیے ہوئے تھا۔

"اسی بات کا تو افسوس ہے مجھے ارقم کہ میں نے فیصلہ کرتے وقت بہت جلدی کی یا شاید جب میں رباب سے نہیں ملا تھا۔ کاش وہ مجھے پہلے مل گئی ہوتی۔ تب میرا فیصلہ یہ نہ ہوتا اور تب میں یوں پچھتا بھی نہ رہا ہوتا۔ کتنی مختلف ہے وہ لڑکی۔ نہ وہ بلاوجہ شرماتی لجاتی ہے اور نہ مجھ سے ڈر ڈر کر دور بیٹھتی ہے۔ کتنا کانفیڈنس ہے اسے خود پر۔ اکثر بڑے آرام سے وہ میرے ساتھ آفس میں اکیلی رک جاتی ہے۔ کبھی میں نے اس کے چہرے پر کوئی گھبراہٹ نہیں دیکھی۔ مجھے ایسی ہی بولڈ لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔

اسے اپنے آپ پر پورا بھروسا ہے۔ وہ مردوں کو ہوا نہیں سمجھتی۔ بے جھجک اور پراعتماد انداز میں بات کرتی ہے۔ کبھی میں اس کی تعریف کروں تو بجائے شرمانے کے یوں مسکرائے گی جیسے یہ تعریف تو اس کا حق ہے۔

اس میں وارفتگی اور خودسپردگی ہے۔ کل میں نے اسے کلائنٹ کے ساتھ جا کر سائٹ دیکھ کر آنے کے لیے کہا تو وہ بغیر گھبرائے بڑے آرام سے اس کے ساتھ چلی گئی اور اذما کو میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ

میرے، پاپا پاپا صابر انکل کے بغیر کسی کلائنٹ سے بات کر سکے۔

ہم کہیں سائٹ سے تھکے ہارے واپس آئے ہوں تو رباب خود ہی کہیں سے رک کر کچھ کھانے کی فرمائش کردے گی۔ کتنی مرتبہ ہم دونوں نے ایک ساتھ کے ایف سی، میکڈونلڈز اور پیزا ہٹ میں بیٹھ کر لنچ اور ڈنر کیا ہے۔ اور اتنی تھکاوٹ کے بعد وہ ذرا سی تفریح کس طرح دل و دماغ کو فریش کر دیتی ہے اور پھر اس پر سے اس کی پر لطف گفتگو جو منٹوں میں ساری ٹینشن دور کر دیتی ہے۔ بے تکلفی سے میری پلیٹ میں سے پیزا اٹھا کر کھالے گی۔ اپنی پائن ایپل آئس کریم کھاتے کھاتے چمچ آگے بڑھا کر میری چاکلیٹ چپس میں سے ایک چمچ لے لے گی اور پھر اپنی شرارت پر خود ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے گی۔ اذما جیسی بوڑھی روح سے تو میں اس قسم کی شرارتوں اور شوخیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" وہ بہت بیزار کن اور پریشان سے انداز میں بول رہا تھا۔

اپنے فیصلوں پر پچھتایا ہوا۔ اپنی حماقت اور جلد بازی پر افسوس کرتا ہوا۔

"اس کی جن خوبیوں سے اس وقت تم متاثر ہو رہے ہو۔۔ ان میں سے کوئی ایک بات بھی قابل تحسین نہیں۔ ہم مرد کتنے بھی پڑھ لکھ جائیں۔ بظاہر کتنے بھی لبرل اور ایڈوانس ہو جائیں مگر اندر سے وہی روایتی سے مرد ہی رہتے ہیں۔ ایسی بے باک اور ماڈرن لڑکیاں وقت گزاری کے لیے تو ہمیں اچھی لگ سکتی ہیں مگر ساری زندگی ساتھ گزارنے کے لیے ہم ایسی لڑکی کا انتخاب کبھی بھی نہیں کر سکتے اور اگر کسی لمحاتی کیفیت کا شکار ہو کر کر بھی لیں تو اپنے اس فیصلے پر بہت جلد پچھتانے بھی لگتے ہیں۔" ارقم کا انداز ناصحانہ تھا۔

"تم نے ابھی اسے دیکھا نہیں ہے' اس لیے یہ سب بول رہے ہو۔ ایک بار اس سے مل لو تو مجھے یہ تمام نصیحتیں کرنا بھول جاؤ گے۔ میں نے اب تک کی زندگی میں اتنی بے تحاشا ذہین اور حاضر جواب لڑکی نہیں دیکھی۔ اس کی سوچ کی انفرادیت، اس کی مقناطیسی شخصیت۔ کچھ ہے اس میں ایسا جو اسے سب سے منفرد بنا دیتا ہے۔" وہ ارقم کی نصیحتوں کے جواب میں بڑے گہرے، گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔

"اذما بہت اچھی لڑکی ہے دانیال۔ خبردار اس کے ساتھ کوئی زیادتی مت کرنا۔ اور یہ رباب نام کی لڑکی جو کوئی بھی ہے اور جس کے عشق کا بھوت اس وقت تمہارے سر پر سوار ہو رہا ہے۔۔۔ اس کی خاطر اس اچھی لڑکی کو ٹھکرانے کی حماقت بھی مت کرنا ورنہ ہمیشہ پچھتاؤ گے۔" ارقم اس بار کچھ جھنجھلا کر بولا تھا۔

"میں اب کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہی کہاں ہوں ارقم۔ اور اگر کچھ کرنے کی کوشش کروں تو سامنے ہزار رکاوٹیں ہیں۔ سب سے بڑھ کر ممی پاپا۔ وہ لوگ شادی کی تاریخ طے کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور ممی نے تو شادی کی تیاریاں بھی شروع کر دی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں۔ کیسے روکوں ان لوگوں کو۔ کیسے اپنی بات سمجھاؤں سب کو۔"

دانیال کا لہجہ بہت تھکا تھکا اور مایوس سا تھا۔ وہ جس خاموشی سے آئی تھی اسی خاموشی سے پلٹ بھی گئی تھی۔

* * * *

خواب کی مسافت سے
وصل کی تمازت سے
روز و شب ریاضت سے
کیا ملا محبت سے
ایک ہجر کا صحرا
ایک شام یادوں کی
ایک تھکا ہوا آنسو

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے ایک نظر بیک ویو مرر میں خود کو دیکھا تھا۔ بالکل خشک اور بنجر سی نگاہیں دیکھی تھیں اس نے شیشے میں۔ کتنی عجیب بات

تھی نہ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا نہ اسے ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔اتنا سب کچھ سن لینے کے بعد بھی وہ بے حس سے انداز میں گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔

یہ سب تو بہت عرصہ سے یونہی تھا۔اس سب کو اسی طرح ہونا تھا۔وہ سب دیکھ رہی تھی۔۔۔سب سن رہی تھی۔۔۔مگر شاید جو کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔۔اسے سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

"آپ بہت سادہ ہیں مس اذما۔"

"تم نے بالکل غلط کہا تھا غالب سادہ نہیں بلکہ میں بے وقوف ہوں۔میں پتھر کو ہیرا سمجھتی ہوں۔۔۔میں سراب کو آب سمجھ کر اس کی طرف اندھا دھند بھاگتی ہوں۔جن قدروں کو آج میں سینے سے لگائے بیٹھی ہوں۔ان کا تو اس دنیا میں کہیں کوئی مول ہی نہیں ہے۔"

گاڑی ان ہی سڑکوں پر سے گزر رہی تھی جن پر سے روز گزرا کرتی تھی۔وہی ہل پارک کے پاس کا پرسکون سا علاقہ،وہی طارق روڈ کی مصروف سی چونگی،لوگوں اور ٹریفک کا اژدہام۔مگر آج راستے اتنے اجنبی کیوں لگ رہے تھے۔یوں جیسے وہ کسی نئے شہر میں آگئی ہے اور اس نئے شہر میں اس کا کوئی واقف نہیں۔وہ یہاں کے راستوں سے انجان ہے۔یہاں کے لوگ اس کے لیے اجنبی ہیں۔

"آج دانیال ہم لوگوں کو پارک ٹاورز میں ملا تھا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہم لوگوں سے بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔میں اور طوبی اس سے سلام کرنے آگے بڑھے تو اتنے رسمی سے انداز میں اس نے بات کی۔"شاید تین مہینہ پہلے کی بات تھی جب ایک روز بھابی نے اس سے یہ بات کہی تھی۔

"یونہی آپ کو وہم ہوا ہے بھابھی!شاید وہ دوستوں کے ساتھ تھا اس لیے اس نے زیادہ بات کرنا مناسب نہیں سمجھی ہوگی۔"اس نے بھابھی سے زیادہ خود اپنے دل کو اطمینان دلایا تھا۔

"دانیال بھائی کی رباب باجی کے ساتھ کافی زیادہ انڈراسٹینڈنگ ہوگئی ہے۔اتنی بے تکلفی سے تو آپ ان سے

بات نہیں کرتیں جتنی رباب باجی کر رہی تھیں۔"حمنی کی منگنی کے فنکشن سے واپسی پر طوبی نے یہ بات اس سے بولی تھی۔

"اچھا ہے ناں۔۔۔ان دونوں کی آپس میں دوستی ہوگئی ہے۔ورنہ اگر دانیال،رباب کو پسند نہ کرتا تو ہماری دوستی بعد میں کس طرح قائم رہ پاتی۔"وہ مطمئن سے انداز میں بولی تھی۔

"دانیال سے ابھی میری گیٹ سے باہر ملاقات ہوئی۔وہ رباب کو ڈراپ کرنے آیا تھا۔میں نے بہت اصرار اور محبت سے اندر بلایا مگر اس نے اتنے خشک اور روڈ سے انداز میں معذرت کرلی۔معذرت کرنے کا انداز بھی اتنا بے مروت سا تھا۔بس یوں کہ کسی بھی طرح وہ اندر آنے اور مجھ سے پیچھا چھڑا لینے میں کامیاب ہو جائے۔"

قاسم بھائی نے یہ بات غالباً" پچھلے ہفتے امی سے کہی تھی۔ان کے لہجے میں ناپسندیدگی اور غصہ کے ساتھ ساتھ دانیال کے رویے پر حیرت بھی تھی۔وہ بھی امی کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔امی نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی جو رات کے گیارہ بجا رہی تھی اور امی باقی سب باتیں بھلا کر یہ سوچنے لگی تھیں کہ رات کے دس بجے رباب،دانیال کے ساتھ کہاں سے آ رہی تھی۔اسے قاسم بھائی کی بات نے ڈسٹرب کیا تھا خود اس نے کتنی مرتبہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے رباب کو ہنستے مسکراتے دانیال کی گاڑی سے اترتے دیکھا تھا۔بے تکلفی سے ہنستی باتیں کرتی ہوئی رباب اور مسکراتا ہوا دانیال۔کتنی مرتبہ اس کے دماغ نے اسے جھنجھوڑا تھا۔یہ کون سا آفس کا کام ہے جو رات کے نو،دس اور گیارہ بجے تک ہوتا رہتا ہے۔وہ کون سی سائٹ ہے جہاں رات گئے تک کام ہوتا رہتا ہے۔مگر اس نے دانستہ خود کو کچھ بھی سوچنے سے روکے رکھا تھا۔یہ گزرے چھ ماہ۔۔۔اسے بہت کچھ سمجھانے کے لیے کافی تھے اگر وہ سمجھنا چاہتی تو۔رباب کا اس کے ساتھ اکھڑا اکھڑا رویہ۔طنزیہ انداز میں باتیں کرنا اور پھر کچھ دن پہلے جب ایک روز آنٹی نے اسے بلا کر رباب کے ایک پرپوزل کے بارے میں

بتاتے ہوئے کہا تھا۔

"ذرا تم ہی سمجھاؤ اس لڑکی کو۔ میں تو عاجز آگئی ہوں۔ اتنے اچھے رشتے کوئی روز روز آتے ہیں۔ کروڑوں کی جائیداد کا تنہا وارث ہے لڑکا۔ پھر اتنا پڑھا لکھا اور ہینڈسم۔ میری سمجھ میں نہیں آتا' یہ لڑکی چاہتی کیا ہے۔ کوئی بات سننے پر آمادہ ہی نہیں ہے۔ بیٹا! تم ہی اسے سمجھاؤ۔ تم اس کی دوست ہو۔ تمہاری بات شاید اس کی سمجھ میں آجائے۔" تو وہ بڑے پر خلوص انداز میں رباب کو سمجھانے چلی آئی تھی۔

وہ اس کی طویل تقریر سن کر طنزیہ انداز میں ہنسی تھی۔

"تمہیں میری شادی کی اتنی فکر کیوں ہے۔ لگتا ہے۔۔۔ تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ ہے۔"

وہ اس کی بات پر چپ سی رہ گئی تھی۔ جبکہ رباب استہزائیہ انداز میں مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

"بے فکر رہو'۔۔۔ میں شادی ضرور کروں گی اور اسی سے کروں گی جو مجھے دل و جان سے پسند ہو گا۔ تم میری فکر میں ہلکان ہونا چھوڑ دو۔ میں اپنا اچھا برا خود بہت اچھی طرح سوچ سکتی ہوں۔"

وہ چپ چاپ شرمسار اور اداس سی وہاں سے اٹھ آئی تھی۔ مگر دل تب بھی وہ بات ماننے پر تیار نہیں ہوا تھا جو ایک کڑوی سچائی اور ایک تلخ حقیقت کی طرح بالکل سامنے موجود تھی۔

دانیال اب کام کے دوران کسی بہانے سے اس کے پاس نہیں آتا تھا۔ وہ اگر کبھی اس کے پاس جاتی تو وہ بظاہر اس سے باتیں کرنے کے باوجود بیزار بیزار سا نظر آتا۔ اکثر اس پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پر سے مسکراہٹ رخصت ہو جایا کرتی تھی۔ پھر وہ بس اخلاق نبھانے کو اوپری دل سے اس سے بات کرتا اور کتنی دیر کی تھی اس نے سب کچھ سمجھنے میں۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ لوگوں کو سوچ اور پسند بدلنے میں زیادہ عرصہ نہیں لگتا۔ کیا ہوا جو کچھ عرصہ پہلے اسی شخص نے ایک روز اس سے کہا تھا۔

"تمہارا یہی انداز مجھے اچھا لگتا ہے۔ تم عام لڑکیوں سے مختلف ہو۔ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو ایک دم

چھا جاتے ہیں۔ ہر دل کو فتح کر لیتے ہیں بلکہ بہت آہستہ آہستہ غیر محسوس انداز میں لوگوں کو اپنا عادی بنا دیتی ہو۔ اتنا آہستہ کہ جو تمہارا عادی ہو رہا ہوتا ہے۔ اسے خود پتا نہیں چلتا۔"

کچھ عرصہ پہلے اسی شخص نے اس لڑکی سے کہا تھا۔

"تم میں بناوٹ نہیں۔ ایسے لوگ دل کے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ مجھے تمہاری سادگی نے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔"

کیا ہوا اگر یہی لڑکی پہلے اسے دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی لگتی تھی۔

اس خوبصورت لڑکی کو اس نے ایک روز پھولوں کا تحفہ دے کر یہ بتایا تھا کہ وہ اس کے لیے ساری دنیا سے اہم ہے۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے اور وہ پھول تو اب بھی اس کے پاس بڑی حفاظت سے رکھے ہیں۔ مگر وہ یہ پھول دینے والے کو اس کے الفاظ پر قائم رہنے پر کس طرح مجبور کرے۔ پھول محفوظ رہ گئے۔۔۔ الفاظ کہیں گم ہو گئے۔ اب ڈھونڈنے نکلو۔۔۔ ملکوں ملکوں خاک چھانو۔۔۔ وہ کھوئے ہوئے الفاظ کبھی ملیں گے نہیں۔

* * * *

آپ کو پتا ہے میرے ساتھ کیا ہوا۔ وہ میری بچپن کی دوست تھی ناں رباب۔ وہ جو مجھ سے بہت پیار کرتی تھی۔ جو میری آنکھ میں ایک آنسو تک نہیں دیکھ سکتی تھی۔ جو میری خاطر سارے زمانے سے لڑائیاں مول لے لیا کرتی تھی۔ پتا ہے اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ جب دوسرے مجھے رلاتے تھے۔۔۔ ہرٹ کرتے تھے تو رباب میری مدد کو آجایا کرتی تھی میرے آنسو صاف کرنے۔۔۔ مجھے ہنسانے۔ آج بھی تو میرا رونے کو دل چاہ رہا ہے۔ کیوں نہیں آرہی آج وہ مجھے چپ کرانے۔ اور وہ جو ایک شخص تھا دانیال۔۔۔ جو یہ کہتا تھا کہ

ساری دنیا تمہیں دھوکہ دے سکتی ہے مگر دانیال عابد نہیں۔ میں تمہیں کبھی لیٹ ڈاؤن نہیں کروں گا اذما۔
اس نے مجھے لیٹ ڈاؤن کر دیا ہے

کیوں کیا ہے ان دونوں نے میرے ساتھ ایسا۔"

گیٹ سے اندر داخل ہونے پر اس کا سب سے پہلے امی سے سامنا ہوا تھا اور اس کا دل چاہا تھا کہ وہ ان کے گلے لگ کر دھاڑیں مار مار کر روئے اور خود پر گزری ہر بات انہیں بتادے۔ مگر وہ کچھ بھی بول نہیں پائی تھی۔ بس چپ چاپ ایک نظر ان پر ڈال کر سیڑھیوں کی طرف چلی گئی تھی۔ امی نے اسے جن لٹے لٹے اور شکستہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اس نے انہیں اندر ہی اندر دہلا دیا تھا۔ وہ متوحش سی اس کے پیچھے آئی تھیں۔

"کیا ہوا اذما؟" انہیں اس کی چپ سے وحشت ہو رہی تھی۔

اس نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا تھا اور بے اختیار اس کا دل چاہا تھا کہے۔

"ماں! آج مجھے پھر وہی کہانیاں سناؤ جو بچپن میں سنایا کرتی تھیں۔ وہ سب باتیں دہراؤ جو بچپن میں بتایا کرتی تھیں۔ میرا یقین کھو گیا ہے ماں۔۔۔ پلیز میرا یقین ڈھونڈ کر لادو۔ بدی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ نیکی کبھی ہارتی نہیں ہے۔ دنیا میں خلوص سے بڑی کوئی دولت نہیں۔ محبت، خلوص اور سچائی وہ سکے ہیں جو کبھی بے مول نہیں ہو سکتے۔ ماں! پیاری ماں! آج تمہاری اذما کا ایمان اٹھ گیا ہے بچپن کی سنی ہر کہانی پر سے۔ کتابوں میں لکھی ہر بات پر سے۔ آج تمہاری اذما کا ایمان اٹھ گیا ہے رشتوں پر سے، خلوص پر سے، محبت پر سے، دوستی پر سے۔"

اور جب آگے بڑھ کر انہوں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگایا تو وہ بلک بلک کر روتے ہوئے بولی تھی۔

"وہ کہتا ہے اس سے فیصلہ کرنے میں غلطی ہو گئی ہے۔ میں اس کے مزاج کے مطابق نہیں ہوں۔ میں رباب کی طرح پر اعتماد اور بولڈ نہیں۔ میں اکیلی سائٹ پر نہیں جا سکتی۔۔۔۔۔ کلائنٹ سے بات نہیں کر سکتی۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ کہیں بیٹھ کر بات نہیں کر سکتی۔ میں تو بڑی عام سے ہوں۔ اس کی طرح لیڈر شپ نہیں ہے مجھ میں۔ مجھے لوگوں کو مسمرائز کرنا نہیں آتا رباب کی طرح۔ اسے اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہونے لگا ہے امی۔ میں اس کے ٹائپ کی نہیں ہوں ناں۔ میں رباب جیسی جو نہیں ہوں۔"

وہ اسے چپ کرانے کی بہت کوشش کر رہی تھیں مگر بجائے چپ ہونے کے اس کے رونے کی شدت میں مسلسل اضافہ ہی ہو رہا تھا۔

* * * *

"تم جیسے لوگ زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اذما مقصود۔" بھابھی اس کے کمرے میں آکر چلائی تھیں۔ وہ خاموشی سے ایک ٹک ان کا غضب ناک چہرہ دیکھ رہی تھی۔ "کتنی آسانی سے اپنے ہر حق سے دستبردار ہو گئیں تم۔ تمہارے ساتھ ساری زندگی نبھانے کا عہد کیا تھا دانیال نے۔۔۔۔ اور اب اگر اسے اچانک رباب اچھی لگنے لگی ہے تو تم بڑے اطمینان سے۔۔۔۔ بغیر اپنے حق کے لیے آواز اٹھائے خود ہی اس کی زندگی سے نکل گئی ہو۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا۔ اذما کی جگہ خود دانیال سے لڑنے پہنچ جائیں۔ اس کی خاموشی نے انہیں مزید طیش دلا دیا تھا۔

"اور وہ جو تم بڑا رباب رباب کا راگ الاپتی تھیں۔ کیسا خنجر گھونپا ہے اس نے تمہاری پیٹھ میں اور تم احمق۔ سارا کھیل تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا اور تم خاموشی سے سب دیکھتی رہیں۔۔۔۔ پورے چھ مہینہ تک۔ تم ہی لے کر گئی تھیں ناں اسے دانیال کے آفس جاب دلوانے۔ اپنی لاڈلی سہیلی کو۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ تم تو صرف جاب دلوانے لائی ہو میں نے یہاں سے بلکہ اس شخص کی زندگی سے ہی تمہیں باہر نہ کر دیا

تورباب سلیم نام نہیں۔ دوستیں ایسی ہوتی ہیں۔ میر جعفر۔ میں نے کتنی بار تمہیں سمجھانا چاہا کہ یہ لڑکی تمہیں اوورشیڈو کر رہی ہے مگر تم ایسی احمق کی سمجھ میں میری کوئی بات آئی ہی نہیں۔ مجھے پورا یقین ہے وہ خود ہی دانیال کے گلے کا ہار بنی ہوگی اور یہ مرد ذات تو ہے ہی ایسی چیز۔ اس کے خمیر میں وفا نہیں۔ یہ کسی ایک کا ہو کر رہ ہی نہیں سکتا۔ اور کچھ نہ سہی تھوڑی سی خود غرضی اور چالاکی ہی سیکھ لیتی اپنی پیاری سہیلی سے۔"

وہ اس کی محبت میں اسی سے لڑ رہی تھیں۔ بھابھی کے اس خفگی اور محبت کے ملے جلے انداز پر اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"ہاں شاید آپ ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں۔ مجھ جیسے لوگ زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ شاید اس لیے کہ ہمیں لوگوں کو روندتے ہوئے، دلوں کو توڑتے ہوئے اپنے لیے راستہ بنانا نہیں آتا۔"

بھابھی اس کی شکست خوردہ انداز پر اپنا غصہ اور اشتعال بھول کر اس کے پاس آکر بیٹھ گئی تھیں اور اس کے کندھے کے گرد محبت سے اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"لیکن بھابھی! دلوں کے فیصلے یوں نہیں ہوتے۔ اور فرض کرلیں کہ لڑ جھگڑ کر اور چیخ چلا کر میں اسے واپس حاصل کر ہی لیتی۔ اسے رباب سے واپس چھین ہی لیتی۔ مگر کیا پھر میں اس سے پہلے کی طرح محبت کر پاتی۔۔۔۔ اس پر پہلے کی طرح بھروسا کرتی۔

وہ میرے دل سے اتر چکا ہے اور وہ رباب سوچتی ہوگی کہ اذما اس کی سوچ کے عین مطابق ہمیشہ کی طرح بغیر لڑے ایک طرف بیٹھ گئی ہے۔ میں اسے کیسے بتاؤں کہ اس جگہ لڑنے کی مجھے کوئی خواہش ہی نہیں ہے۔"

گلوگیر لہجے میں بولتے اس نے اپنا سر ان کے شانے پر ٹکا دیا تھا۔

"اذما میری جان! خود کو کوئی روگ مت لگالینا۔" ان کا دل انجانے وسوسوں میں مبتلا ہونے لگا تھا۔

"بھابھی! ابھی مجھے خود کو سنبھالنے میں وقت لگے گا۔ میرا بہت بڑا نقصان ہو گیا ہے بھابھی۔ ابھی خود کو

سنبھالنے اور نئے سرے سے جوڑنے میں مجھے بہت وقت لگے گا۔ رشتوں نے اپنا مان کھو دیا ہے بھابھی! اب پتا نہیں میں کبھی کسی پر اعتبار کر سکوں گی یا نہیں۔" وہ بے آواز آنسو بہا رہی تھی' وہ ہولے ہولے اس کا سر تھپک رہی تھیں۔

یہ بات اتنی معمولی نہیں تھی کہ اتنی آسانی سے ختم ہو جاتی۔ دونوں ہی گھرانوں کے لیے یہ بہت بڑا شاک تھا۔ آنٹی اور انکل کتنی بار ان کے گھر آئے۔۔۔۔۔ اس سے ملنا چاہا مگر وہ ابھی کسی سے بھی ملنا نہیں چاہتی تھی۔

دانیال کا کئی مرتبہ فون آیا۔ صرف پہلی مرتبہ فون آنے پر رجّا نے اسے بلایا تھا۔ مگر انکار کرنے کے بعد پھر ہر کال پر اسے یہی جواب دے دیا جاتا کہ "اذما بات نہیں کرنا چاہتی۔"

اس رات کھانے کی میز پر امی، بابا اور قاسم بھائی کو دانیال کی ممی کے فون کے بارے میں بتانے لگی تھیں۔

"دانیال کی ممی کا آج پھر فون آیا تھا، کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے دانیال سے اس بارے میں تفصیلی بات کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اذما کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ رباب کو وہ صرف دوست سمجھتا ہے۔ بلکہ وہ تو دبے لفظوں میں مجھے یہ بھی سنا رہی تھیں کہ میں نے بیٹی کو خودسری اور من مانی کی تربیت دی ہے۔ وہ لوگ تو عید کے بعد شادی کا پروگرام بنائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے تو آہستہ آہستہ شادی کی تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں۔"

"دوست کا بچہ۔" قاسم بھائی بڑبڑائے۔ "ہماری بہن ہم پر بوجھ نہیں نہ ہی اسے رشتوں کی کمی ہے۔ بہت اچھا ہوا جو اس شخص کی اصلیت پہلے ہی ظاہر ہو گئی۔ آپ کو ان سے کہنا چاہیے تھا کہ اذما پر خودسری اور من مانی کا الزام لگانے سے پہلے اپنے صاحبزادے کے کرتوتوں پر تو ایک نظر ڈال لیں۔"

وہ قاسم بھائی کی بات سنتے ہوئے بغیر کسی خواہش کے پلیٹ میں سالن ڈالنے لگی تھی۔ پھر ان گزرے دنوں

میں کئی بار دانیال کا فون آیا۔اسے نہیں معلوم تھا،اسے کوئی بتاتا بھی نہیں تھا۔ہاں اگر کبھی وہ بھی وہیں بیٹھی ہوتی اور رجاء' بھابھی یا طوبی میں سے کوئی فون کرنے والے کو یہ جواب دیتا کہ "وہ آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔"تو وہ خود ہی سمجھ لیا کرتی تھی کہ دوسری طرف کون ہے۔

اس کا تو خیال تھا۔۔وہ یہ رشتہ ختم ہو جانے پر سکون کا سانس لے گا اور پھر اپنی من پسند لڑکی کے ساتھ خوشگوار زندگی کی ابتدا کر دے گا۔ہاں یہ سب اتنا سیدھا سادہ سا ہی تو تھا۔ان دو منفرد لوگوں کے درمیان رکاوٹ تو وہ خود تھی اور اس رکاوٹ کو اس نے خود ہی

دور بھی کر دیا تھا۔رباب ان دونوں کے بیچ نہیں آئی تھی بلکہ شاید ان شاندار اور لیڈروں جیسی آن بان رکھنے والے افراد کے درمیان وہ غلطی سے آگئی تھی اور اس غلطی کا خمیازہ تو اسے بھگتنا ہی چاہیے تھا۔اس نے اس بات پر بہت سوچا تھا مگر سمجھ نہیں پا رہی تھی۔پھر ایک روز ارقم کا فون آیا تھا۔"دانیال تم سے بات کرنا چاہتا ہے ازما۔"اور اس نے ایک لمحہ کی دیر لگائے بغیر اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

"اب اسے کیا بات کرنی ہے۔اب وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔کیوں وہ بار بار مجھے ڈسٹرب کر رہا ہے۔کیوں نہیں وہ سکون سے بیٹھ کر اپنی من پسند زندگی کو انجوائے کر رہا۔"وہ فون بند کرنے کے بعد گھنٹوں خود سے سوال جواب کرتی رہی تھی۔

* * * *

وہ انگوٹھی ہاتھ میں لیے بالکل خاموش بیٹھا تھا۔یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی کل کی بات تھی جب وہ ممی کے ساتھ جا کر بڑے شوق سے ہزاروں بیش قیمت انگوٹھیوں میں سے اسے پسند کر کے لایا تھا اور پھر خود اپنے ہاتھوں سے یہ اسے پہنائی تھی اور آج وہی انگوٹھی واپس اس کے پاس آگئی تھی۔اس کا سارا مسئلہ بڑے آرام سے حل ہو گیا تھا مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں وہ خوش نہیں ہو پا رہا تھا۔

وہ پچھلے ایک مہینہ سے آفس نہیں آ رہی تھی اور اس نے ایک بار بھی اس کی غیر موجودگی پر کسی قسم کی تشویش محسوس نہیں کی تھی۔حالانکہ باقی تمام افراد تو پہلے ہی دن اس کے نہ آنے پر حیران ہوئے تھے۔

"میں نے مس ازما کے گھر فون کیا تھا۔ان کی بہن سے بات ہوئی تھی وہ بتا رہی تھیں کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"اس نے غالب کو صابر انکل سے بات کرتے سنا تھا۔

درحقیقت تو اس کے نہ آنے پر دانیال نے بہت سکون محسوس کیا تھا۔اسے سامنے دیکھ کر جب اخلاقاً" بات کرنی پڑتی تھی۔۔۔زبردستی مسکرانا پڑتا تھا تو اسے سخت کوفت ہوتی تھی۔جو رشتہ ان دنوں اسے سخت بیزار کر رہا تھا۔اس کا لحاظ کرتے ہوئے بات کرنا اور مسکرانا۔کتنا دل پر جبر کرنا پڑتا تھا ایسا کرتے ہوئے۔

"تم ازما کی خیریت معلوم کرنے نہیں گئے؟" پاپا کے پوچھنے پر وہ بے اختیار نظریں چرا گیا تھا۔

"مصروفیت اتنی تھی۔۔۔۔۔جانے کا ٹائم ہی نہیں ملا۔"اس کے جواب پر انہوں نے اچنبھے سے اسے دیکھا تھا۔پل کی پل ایک شرمندگی سی دل میں ابھری تھی۔کیا حرج تھا اگر وہ رسماً" فون کر کے ہی اس کی خیریت معلوم کر لیتا۔مگر اگلے ہی پل اس نے سر جھٹک کر خود کو اس شرمندگی سے نکال لیا تھا۔آج کل وہ رباب سلیم کے ساتھ جن نئی دنیاؤں کی سیر کو نکلا ہوا تھا۔۔۔وہاں ازما مقصود نام کی کسی لڑکی کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔

اور ابھی جب وہ تھوڑی دیر پہلے ہی رباب کے ساتھ بہت بھرپور وقت گزار کر آیا تھا تو ممی اس کے کمرے میں بہت غصے کے عالم میں آئی تھیں۔انگوٹھی اس کے سامنے رکھتے ہوئے وہ ازما کی فیملی کو بہت برا بھلا کہہ رہی تھیں۔سب سے بڑھ کر ازما کو جوان کے خیال میں ایک خود سر اور انتہائی ضدی لڑکی تھی۔جس کے لیے منگنیاں اور رشتے ناتے مذاق تھے۔وہ ان کی طویل تقریر اور غیض و غضب کے جواب میں کچھ بھی نہیں بول پایا تھا۔۔۔بس سکتے کے سے عالم میں بیٹھا اس انگوٹھی کو دیکھے جا رہا تھا۔وہ شاندار سا ڈنر۔۔۔وہ خوب

صورت سی لڑکی رباب اور اس کی بے تکلفانہ گفتگو اس کے ذہن سے محو ہو گئے تھے یاد تھی تو صرف یہ بات کہ اذما مقصود بغیر کچھ کہے سنے بڑی خاموشی سے اس کی زندگی سے نکل گئی تھی۔

صبح وہ آفس آیا تو اتنے دنوں میں پہلی مرتبہ اس میز کے پاس آکر رک گیا تھا۔ وہ میز، وہ کرسی اور وہ کمپیوٹر سب چیزیں اپنی جگہ پر موجود تھیں۔۔۔۔ نہیں تھی تو وہ لڑکی جو اس کرسی پر بیٹھا کرتی تھی۔ اس کمپیوٹر کو آپریٹ کیا کرتی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتی حجاب نے اسے اس طرح کھڑے ہوئے بڑی حیرت سے دیکھا تھا اور پھر خاموشی سے اپنی میز کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ سر جھٹکتے ہوئے فورا" کمرے سے نکل گیا تھا۔

"بہت جلدی آپ کو اس کی غیر موجودگی کا دھیان آگیا۔ آپ کا تو اس کے ساتھ بہت گہرا۔۔۔۔ بہت مضبوط رشتہ تھا جبکہ ہماری تو وہ صرف ایک کولیگ تھی۔ ایسی کولیگ جس کو ہمارے ساتھ کام کرتے ہوئے کوئی بہت طویل عرصہ بھی نہیں گزرا تھا مگر پھر بھی ہم سب نے اس کی کمی بڑی شدتوں سے محسوس کی ہے۔ شاید اس میں ہمارا اتنا کمال نہیں وہ تھی ہی ایسی کہ اس سے صرف محبت ہی کی جاسکتی تھی۔ غالب اب اس کمرے میں میرے پاس آکر نہیں بیٹھتا۔ وہ کہتا ہے۔۔۔ اس سے خالی پڑی یہ ویران سی میز دیکھی نہیں جاتی اور وہ تو یہ بھی کہتا ہے کہ یہ میز اب ہمیشہ یونہی ویران رہے گی۔ وہ لڑکی اب دوبارہ یہاں آکر کبھی نہیں بیٹھے گی۔"

حجاب بہت تاسف میں گھری سوچ رہی تھی۔

* * * *

"کیا بات ہے دانیال! تم بہت چپ چپ ہو۔"

گاڑی جیسے ہی سوک سینٹر سے تھوڑا سا آگے بڑھی۔ رباب نے اس سے پوچھا تھا۔ ان کے نئے ڈیزائن کیے ہوئے شاپنگ مال کی اسٹرکچرل ڈرائنگز میں بعض اعتراضات آئے تھے اور وہ ان ہی کے بارے میں متعلقہ آفیسر کے ساتھ میٹنگ کرنے بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی آئے ہوئے تھے۔ میٹنگ کے دوران بھی دانیال زیادہ

وقت خاموش ہی رہا تھا۔ رباب ہی ڈرائنگز پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات دیتی رہی تھی۔ اس کے لیے دانیال کی خاموشی بہت حیرت انگیز تھی۔ کچھ الجھا الجھا مضطرب سا۔ وہ اپنی بات کا جواب حاصل کرنے کے لیے کافی دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی مگر شاید اس نے اس کی آواز سنی ہی نہیں تھی۔

"کتنے اچھے انداز میں۔۔۔۔ میں نے ان کے تمام اعتراضات کے جوابات دیے۔ آخر کار انہیں اپنے تمام اعتراضات واپس لینے ہی پڑے۔ اب اس خوشی میں تم کم از کم مجھے کسی اچھی سی جگہ پر لنچ ہی کروا دو۔"

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے دانیال کو دوبارہ مخاطب کیا تھا۔ اب کی بار وہ کچھ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"اس وقت نہیں رباب! ابھی تمہیں آفس ڈراپ کر کے مجھے ایک بہت ضروری میٹنگ میں جانا ہے۔" وہ بہت سنجیدہ لہجے میں بولا تھا۔

رباب کو اس کا انداز پیچھا چھڑانے والا محسوس ہوا تھا۔ آج کل وہ جس طرح ہر وقت اور ہر جگہ دانیال کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ ایسے میں اس کی کوئی مصروفیت اور کوئی اپائنٹمنٹ ایسا نہیں تھا جو رباب کو نہ پتا ہو۔ پھر یہ کون سی میٹنگ نکل آئی تھی جس سے وہ لاعلم تھی۔ مگر اس سے مزید کوئی اصرار کیے بغیر وہ خاموش ہو گئی تھی۔ وہ اس کے رویے کا سبب سنجیدگی سے سوچنا چاہتی تھی۔

"کیا دانیال منگنی ٹوٹنے پر اتنا پریشان ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اسے یہ بات سوچنی پڑ رہی تھی۔

گو دانیال نے اسے منگنی ٹوٹنے کے بارے میں نہیں بتایا تھا مگر ایسی باتیں کوئی چھپنے والی ہوتی ہیں۔ اس نے اگرچہ دانیال پر یہ بات ظاہر نہیں کی تھی کہ وہ منگنی ٹوٹنے کی بات جان چکی ہے۔ مگر دل ہی دل میں اس خبر پر اس نے بہت سکون محسوس کیا تھا۔

وہ توقع کر رہی تھی۔ وہ خود ہی خوشی سے بھرپور انداز میں ہنستے مسکراتے ہوئے اسے یہ خبر سنائے گا اور پھر

یقیناً" اسے پرپوز بھی کر دے گا۔" شاید وہ خود کو قصوروار سمجھ رہا ہے۔ ازما کے ایک دم بغیر کچھ کہے سنے پیچھے ہٹ جانے پر شاید اسے شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔"

رباب نے آخرکار اس کی خاموشی کی وجہ دریافت کر لی تھی۔ بے کار میں وہ اتنا حساس ہو رہا ہے۔ ایسا کون سا ازما پر ظلم کا پہاڑ دانیال نے توڑا ہے۔ وہ اسے ان احمقانہ خیالات سے نکالنے کے لیے اس کے آفس واپس آتے کے ساتھ ہی اس کے کمرے میں آگئی تھی۔ اپنی اسی چھا جانے والی شخصیت اور دلوں کو مسخر کر لینے والی مسکراہٹ سمیت۔

"کیا کام ہو رہا ہے؟" وہ اپنی ٹیبل پر لیپ ٹاپ رکھے کچھ کام کرنے میں مصروف تھا۔ وہ اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اتنے قریب کہ اس کا

دوپٹہ اس کے کندھے کو چھو رہا تھا۔

"تمہیں کوئی کام ہے رباب؟" اس کے لہجے میں بیزاری کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اس انداز پر شاکڈ رہ گئی تھی۔ کیا کوئی رباب سلیم سے بھی بیزار ہو سکتا ہے۔

"کام تو کوئی نہیں تھا۔۔۔ بس یونہی چائے پینے کا موڈ ہو رہا تھا لیکن تم شاید کچھ زیادہ ہی بزی ہو۔" وہ جواباً" اپنی ناگواری چھپا نہیں پائی تھی۔

"ہاں۔ اس وقت میں مصروف ہوں۔ تم ٹھہر کر آنا۔" وہ اس سے نظریں ہٹا کر دوبارہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ زندگی میں کبھی کہیں نظر انداز نہیں ہوئی تھی۔ لوگوں کے موڈز ہمہ وقت اس کی مرضی کے تابع رہا کرتے تھے۔ اب کہ ازما ان کے درمیان سے ہمیشہ کے لیے نکل گئی تھی تو وہ شخص اسے اس خوشی کا ڈھنگ سے جشن بھی نہیں منانے دے رہا تھا۔ وہ دانیال کے اس انداز پر بہت ہتک محسوس کر رہی تھی۔ مگر براہ راست اسے کچھ کہہ کر آپس میں جھگڑا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس نے سوچا۔۔۔ وہ اپنا انداز معمول کے

مطابق ہی رکھے گی اور دانیال کو اس شاک کی کیفیت سے نکلنے کے لیے وقت دے گی۔ چند دن بعد وہ خود ہی نارمل ہو جائے گا۔

* * *

وہ کمرے میں داخل ہوا تو رباب بے تکلفی سے بیٹھی کمپیوٹر پر کسی ڈرائنگ کے ساتھ مصروف تھی۔ اسے اپنے کمرے میں اس طرح مالکانہ انداز میں بیٹھے دیکھ کر اسے خواہ مخواہ چڑ سی ہوئی تھی۔ حالانکہ یہ حق تو اس نے خود رباب سلیم کو دے رکھا تھا کہ وہ بے جھجک اس کے کمرے میں آئے۔۔۔ اس کا کمپیوٹر استعمال کرے۔۔۔ ہر آفیشل معاملے میں رباب ٹانگ اڑاتی۔ اس کے مشورے جس طرح ان کی فرم کو فائدے پہنچا رہے تھے۔۔۔ ایسے میں دانیال تو کیا دانیال کے پاپا کے لیے بھی وہ عام ملازمین میں سے بہت مختلف اور خاص شخصیت بن چکی تھی۔ لیکن اس وقت وہ اسے دیکھ کر کوفت کا شکار ہوا تھا۔ وہ حسب معمول اسے دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرائی تھی۔ وہ اس کی مسکراہٹ نظر انداز کرتا اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"میرے لیے ایک بہت اچھا پرپوزل آیا ہے۔ ممی ڈیڈی کو رشتہ بہت ہی پسند آگیا ہے۔ ڈیڈی کو اس لیے کہ لڑکا فارن کوالیفائیڈ ہے۔۔۔ بہت بڑا انڈسٹریلسٹ ہے اور ممی کا وہی روایتی ماؤں والا مسئلہ کہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ لمبی چوڑی سسرال کا کوئی قصہ نہیں ہے۔"

وہ قصداً" اس سے لاتعلق سا بیٹھا کام میں مصروف تھا۔ جب کی بورڈ پر اپنی مخروطی انگلیاں چلاتی ہوئی رباب نے بڑے لاپروا سے انداز میں اسے یہ بات بتائی تھی۔ بتانے کا انداز ایسا تھا جیسے یونہی اس سے اس بات کا تذکرہ کر دیا ہو اور یہ بات بتانے کا اس سے زیادہ اور کوئی مقصد ہی نہ ہو۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ پھر کب کھلا رہی ہو تم مٹھائی؟" وہ جواباً" خوش دلی کا مظاہرہ کرتا اس سے بھی زیادہ لاپروا انداز میں بولا تھا۔

اس کی طرف سر اٹھا کر دیکھے بغیر وہ بھی وہ جانتا تھا کہ رباب آنکھوں میں حیرت لیے سکتے کی کیفیت میں مبتلا اسے ایک ٹک دیکھے چلی جا رہی تھی۔

"تو کیا میں اس رشتے کو قبول کر لوں؟" چند سکینڈز بعد اس نے یہ سوال پوچھا تھا۔ بڑے جتانے والے لہجے میں۔ دانیال نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔ وہ گردن موڑے بڑے بڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پہلی مرتبہ تھا جب اسے اس حیسن چہرے سے وحشت ہوئی تھی۔ دل چاہا تھا اسے ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے سے باہر نکال دے۔

"بالکل قبول کر لینا چاہیے۔ جب بقول تمہارے اس بندے میں اتنی خوبیاں ہیں تو انکار کا تو کوئی جواز ہی نہیں ہے۔" وہ اس کے چہرے پر پھیلتے غصہ اور ناگواری سے بھرپور رنگوں سے محفوظ ہوتا سنجیدگی سے بولا تھا۔

وہ ایک دم اپنی کرسی پر سے اٹھ کر اس کی میز کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر خفگی سے بولی تھی۔

"تم شاید اس وقت مذاق کے موڈ میں ہو۔ لیکن میں تمہیں یہ بتا دوں کہ ممی ڈیڈی اس رشتے میں کچھ ضرورت سے زیادہ ہی دلچسپی لے رہے ہیں اور بلاوجہ زیادہ عرصہ تک انہیں ٹالنا میرے لیے ناممکن ہے۔"

"بھلا بتاؤ تو ان دونوں لڑکیوں میں سے کون سی لڑکی زیادہ خوب صورت ہے۔" اچانک ہی اس کے دل نے سوال کیا تھا۔ "یہ جو سامنے کھڑی تمہاری محبت کا والہانہ اقرار کرتے ہوئے شادی کی خواہش ظاہر کر رہی ہے، یا وہ جس کے پاس محبت کا اظہار کرنے پہلی مرتبہ تم خود گئے تھے۔ کون زیادہ خوب صورت ہے دانیال بتاؤ؟ وہ جس سے جب تم پہلی بار اپنی محبت کا اقرار کرنے گئے تو سخت نروس تھے۔ اپنی تمام تر خود اعتمادی اور ذہانت کے باوجود۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ ایسی لڑکی نہ تھی جس سے بے تکلفانہ دوستی ہی کی جا سکے کجا کہ محبت۔ اور پھر شدید ترین گرمی اور دھوپ سے بے نیاز ہو کر تم نے اس کی گاڑی کے پاس کھڑے ہو کر کتنی دیر تک اس

کا انتظار کیا تھا۔ یاد ہے وہ انتظار؟ بہت سی امیدیں تھیں اس انتظار میں۔۔۔۔ بہت سے اندیشے تھے۔ کوئی صدیوں پرانی بات تو نہیں جو تم بھول گئے ہو گے۔ وہ لڑکی اور اس کے چہرے پر بکھرے وہ رنگ جو اس وقت حاصل زیست لگے تھے اور جنہوں نے تمہیں یہ بات بتائی تھی کہ تم اسے ناپسند نہیں ہو۔ یا یہ لڑکی زیادہ خوبصورت ہے جس سے دوستی کرنے، تعلقات استوار کرنے میں پہل تم نے نہیں کی۔ اس سے بات کرتے اور اس کی تعریف کرتے کبھی ایک پل تمہیں اس کے پیچھے جانے اور اس کے انتظار میں کھڑے ہونے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ یہ تو خود تمہاری محبت میں سر سے پاؤں تک ڈوبی ہوئی ہے۔ خود اپنی بے تابیوں کی داستان سنا رہی ہے۔ تم سے شادی کے لیے بری طرح بے تاب ہے۔

"تم اپنے ممی، پاپا کو جلدی سے میرے گھر بھیجو دانیال! میں اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتی۔"

خود اعتمادی سے تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے بے جھجک انداز میں تمہارے سامنے کھڑی یہ بات کہہ رہی ہے۔ جب انسان مصنوعی لوگوں پر فریب باتوں سے بیزار اور نڈھال گھر لوٹتا ہے تو گھر میں اسے سادگی، سچائی اور خلوص کی طلب ہوتی ہے۔ جہاں بے لوث اور سچی محبت ہو۔ ایک دوسرے کے لیے خلوص ہو۔ اس کے پاس تو سچائی اور خلوص نام کی کسی چیز کا کوئی وجود ہی نہیں ہے یہ تمہارے دل میں جگہ بنانے کے لیے جن اداؤں اور ساحرانہ باتوں سے کام لیتی ہے۔ ان ہی اداؤں سے کلائنٹس کے دل اپنی مٹھی میں لے لیتی ہے۔ بڑے بڑے آفیسرز کو اپنے لفظوں کے جال میں الجھا دیتی ہے۔ تمہیں امپریس کرنے لیے اپنی خوبیاں تمہارے سامنے زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ خود اپنے آپ کو سجا بنا کر تمہارے سامنے پیش کرتی ہے۔

نہیں دانیال! یہ لڑکی بالکل بھی خوب صورت نہیں ہے۔ اس کی باتیں۔۔۔۔ اس کی ادائیں۔۔۔۔ اس کی مسکراہٹیں سب مصنوعی ہیں صرف تمہیں متاثر کرنے کے لیے ان کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ خوبصورتی یہ نہیں

ہے۔خوبصورتی یہ ہو ہی نہیں سکتی۔

بس ایک لمحہ کی بات تھی اور فیصلہ ہو گیا تھا اور اب وہ استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تمہیں یہ خوش فہمی کیونکر ہو گئی رباب سلیم! کہ میں تم جیسی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ ہو جاؤں گا۔"

اس کے دل نے اسے شاباشی دی تھی اور رباب سلیم اس لب ولہجے اور انداز پر ساکت کھڑی اس کا منہ تکے جا رہی تھی۔

* * * *

"وقتی سی ایک چکا چوند ہے جس سے تم متاثر ہو رہے ہو۔ پچھتاؤ گے۔ تم دانیال، بہت پچھتاؤ گے۔"

ارقم نے جب اسے یہ بات کہی تھی تو اس نے ناگواری سے منہ پھیر لیا تھا اور آج وہ بیٹھا شاید پچھتا ہی رہا تھا۔

اسے ازما سے ایسے کسی انتہائی فیصلے کی امید ہی نہیں تھی اسے شاید یقین تھا کہ وہ کبھی بھی نئی دنیاؤں کی سیر

سے واپس لوٹے گا تو وہ لڑکی دیدہ و دل فرش راہ کیے اس کے انتظار میں بیٹھی ہو گی۔

کتنی مرتبہ اس نے اس سے رابطہ کرنا چاہا تھا مگر وہ ہر تعلق منقطع کر کے اب کوئی بھی رابطہ رکھنے پر تیار ہی نہیں تھی۔ اس نے ارقم کے ذریعے اس سے رابطہ کرنا چاہا تھا۔

"اس سے کہو، ایک بار مجھ سے بات کر لے ٹیلی فون پر ہی سہی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا۔۔۔۔۔۔اب وہ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتا ہے۔ جو کچھ وہ چاہتا تھا۔۔۔۔۔ وہ سب اس کی حسب خواہش ہو چکا ہے۔ اس سے کہو اب مجھے اس سے ملنے اور بات کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔"

ارقم نے ازما کا جواب من وعن اسے سنا دیا تھا۔

آخر رباب سلیم میں ایسا تھا کیا جو وہ اس سے اس درجہ متاثر ہو گیا تھا۔ خوبصورتی، ذہانت، کانفیڈنس اور بولڈنیس۔ اس کا کانفیڈنس کہ وہ آزادانہ کسی بھی مرد کے ساتھ گھوم پھر سکتی ہے۔ بے تکلفانہ انداز میں اس کے قریب بیٹھ سکتی ہے۔ کیا وہ لڑکی اس قابل تھی کہ اس سے شادی کرنے کے بارے میں سوچا جاتا۔ جو لڑکی اپنی اتنی پرانی اور عزیز دوست کو دھوکا دے سکتی ہے وہ کسی کو بھی دھوکا دے سکتی ہے کسی کے ساتھ بھی بے وفائی کر سکتی ہے۔

"کیا کسی دوسرے پر بے وفائی اور دھوکا بازی کا کوئی الزام لگانے کا وہ حق رکھتا ہے؟"

کبھی کبھی انسان کے اپنے اندر سے ہی سچ نکل آتا ہے۔ ایک سوال کی طرح سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔

* * * *

"تم ہار کر بھی جیت گئیں ازما۔"

وہ اپنے کمرے میں قالین پر بیٹھی گھٹنوں میں منہ دیے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس نے خود کو ذلیل ہوتے دیکھا تھا۔ اپنے لیے تحقیر بھرے الفاظ سنے تھے۔ اس شخص کے منہ سے جس کی خاطر اس نے اپنی عزیز ترین دوست کی بھی قربانی دے ڈالی تھی۔

"تمہیں یہ خوش فہمی کیونکر ہو گئی رباب سلیم کہ میں تم جیسی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ ہو جاؤں گا۔ تمہارے ساتھ کہیں لنچ یا ڈنر کر لینے یا دوستانہ انداز میں باتیں کر لینے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں تھا کہ میں تم سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

وہ استہزائیہ انداز میں اس سے بولا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ایک فضول سے احساس ندامت میں مبتلا ہو کر اس سے بات نہیں کر پا رہا۔ اور اس کے پہل کر دینے کے نتیجے میں یقیناً" وہ بہت خوش ہو گا۔ ہمیشہ کی طرح اس کے پر اعتماد اور بے جھجک انداز کو سراہے گا۔

مگر ہوا کیا تھا؟ وہ کتنی آسانی سے ہر بات سے مکر گیا تھا۔ اس کی حماقت پر ہنس رہا تھا جو اس کی ذرا سی توجہ کو محبت سمجھنے لگی تھی۔ لیکن وہ اذما مقصود نہیں تھی جو خاموشی سے وہاں سے روتی ہوئی واپس آجاتی۔ وہ رباب سلیم تھی۔ جسے لوگوں سے اپنا حق چھیننا آتا تھا۔

"تمہارا مجھے بے تحاشا اہمیت دینا۔۔۔۔۔ میری تعریفیں کرنا۔۔۔۔۔ صبح شام مجھے فون کھڑکانا۔۔۔۔۔۔ اپنی منگیتر تک کو میرے آگے نظر انداز کر دینا۔۔۔۔۔۔ وہ والہانہ پن۔۔۔۔ وہ محبت بھرا انداز وہ سب کیا تھا پھر؟" وہ بے خوف و خطر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی۔

"ایک وقتی کیفیت جسے اگر تم محبت سمجھی تھیں تو یہ تمہاری بھول تھی۔ اگر کوئی عورت سراپا ترغیب بنی کسی مرد کے پاس آئے تو وہ اسے آنکھ اٹھا کر دیکھے بھی نہیں تو پھر کوئی بہت پارسا اور ولی اللہ ہی ہو گا جسے اپنے نفس پر پورا پورا قابو ہو گا اور افسوس کہ مجھے پارسائی کا کوئی دعوا نہیں۔ شکر کہ میں اس وقتی کیفیت سے نکل آیا ہوں۔ جس طرح تم میرے اتنے قریب بیٹھتی ہو۔۔۔۔۔ میرے ساتھ ہنستی اور باتیں کرتی ہو۔۔۔۔۔ اس طرح پتا نہیں اور کس کس کے ساتھ باتیں کرتی ہو گی اور ایسی لڑکی کے ساتھ میں شادی کر لوں گا۔ کیا میں تمہیں اتنا احمق نظر آتا ہوں۔"

وہ اس کے منہ پر تھپڑ مار دینا چاہتی تھی۔ چیخ چیخ کر اسے گالیاں دینا چاہتی تھی مگر وہ ایسا کچھ بھی نہیں کر پائی تھی۔

"جس طرح میرے ساتھ وقت گزارتی ہو۔۔۔۔ پتا نہیں اور کتنوں کے ساتھ بھی گزارتی ہو گی۔" وہ کیسے بھول پائے گی یہ ذلت بھرا جملہ۔ کیا یہ سب اس کے لیے کہا گیا تھا۔۔۔۔ رباب سلیم کے لیے۔ جس سے بات کرنے کے لیے لڑکے ترستے تھے۔ جس کلاس فیلو سے وہ بات کر لیتی۔ وہ خود کو خوش قسمت ترین انسان

سمجھنے لگتا تھا۔ جس کزن سے وہ یونہی رسمی سی ہیلو ہائے کر لیتی۔۔۔۔۔ وہ خود پر فخر محسوس کرنے لگتا تھا۔ وہ کیسے اسے جا کر یقین دلائے "تم سے پہلے میں کبھی کسی لڑکے سے بے تکلف نہیں ہوئی۔ کبھی کسی کے اتنے قریب جا کر نہیں بیٹھی تھی۔ کبھی کسی کے ساتھ کہیں باہر گھومی پھری نہیں۔ تم وہ پہلے لڑکے ہو۔ صرف تم۔ تم سے پہلے کوئی بھی نہیں۔ پھر تم مجھے اس طرح ذلیل کیوں کر رہے ہو۔"

"میں بھی کیوں؟" وہ اچانک اس کے سامنے آکر طنزیہ انداز میں ہنسا تھا۔ "کون لگتا تھا میں تمہارا۔ کیا رشتہ تھا تمہارا میرے ساتھ۔" وہ آنسو بھری نگاہوں سے اسے خود پر قہقہے لگاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"باکردار ہونے کا یقین تو صرف اذما جیسی لڑکیوں ہی کا کیا جا سکتا ہے۔ وہ جب مجھ سے ہی اتنا فاصلہ رکھ کر ملتی ہے تو کسی اور سے تو میں مان ہی نہیں سکتا۔۔۔۔۔ وہ کبھی بے تکلف ہوئی ہو گی۔ کردار کی مضبوطی تو یہ ہوتی ہے۔"

وہ تمسخرانہ انداز میں بولا تھا۔ وہ اپنے بال نوچ نوچ کر رو رہی تھی۔ بین کر رہی تھی۔ ان آوازوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر وہ اس کا تعاقب کرتی اس کے کمرے تک چلی آئی تھیں۔

"تو تم نے چھین لیا اسے مجھ سے۔" اس نے گھٹنوں پر سے سر اٹھایا اور اپنے برابر کارپٹ پر بیٹھی اذما کو دیکھ کر ڈر کر دور ہٹ گئی۔

"میں نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا تھا ناں۔۔۔۔۔ دیکھا تم نے اس نے کیسا انصاف کیا ہے میرے ساتھ۔ کیا پایا تم نے یہ سب کر کے۔ خود اپنی نظروں سے گریں۔ ایک پیاری اور پر خلوص سی دوست گنوائی اور وہ شخص جس سے تم شاید سچی محبت کرنے لگی تھیں۔۔۔۔۔ اس نے تمہیں وقت گزاری کی چیز سمجھا۔۔۔۔ تمہیں دھتکار دیا۔ تمہارے پاس تو کوئی ایسا بھی نہیں جو تمہیں یہ تسلی دے سکے کہ رباب تم کہیں غلط نہیں۔۔۔۔۔ تم حق پر ہو۔ مجھے دیکھو۔ کتنے لوگ ہیں جو مجھے ٹھیک سمجھتے ہیں۔ میرے لیے دعائیں کرتے

ہیں۔ میرے لیے سوچتے اور کڑھتے ہیں۔ صرف ماں باپ اور بہن بھائی نہیں بالکہ میرے بے شمار دوست جنہیں میں نے ہمیشہ محبت اور عزّت دی اور بدلے میں اپنے لیے بھی اتنی ہی محبت اور عزت پائی۔"

اس کے کمرے میں اذما تھی۔ دانیال تھا۔ اور خود اس کی چیخیں تھیں جو درودیوار کو ہلا رہی تھیں۔

* * *

وقار ماسٹرز کرنے امریکہ جا رہا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے اپنے گھر پر سب دوستوں کو کھانے پر بلایا تھا۔ وہ جس طرح ان دنوں ساری دنیا سے کٹی ہوئی تھی۔۔۔۔ ایسے میں اس کا جانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ مگر وقار اور پھر مزنا اور فوزیہ کے پیہم اصرار پر آخر وہ جانے پر آمادہ ہوگئی تھی۔

قاسم بھائی اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ وہ وہاں پہنچی تو سب ہی موجود تھے۔ منیب، سیف، وسیم، مزنا، فوزیہ، یہاں تک کہ ارقم اور سجاد بھی۔ گزرے تلخ ترین واقعہ کا حوالہ دیے بغیر وہ سب اس سے بہت پر تپاک اور پر خلوص انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ ان لوگوں کی باتوں میں دلچسپی لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ زبردستی مسکرا بھی رہی تھی۔

وہ سیف کی کسی بات کا جواب دے رہی تھی جب اس نے دانیال کو ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے دیکھا۔ فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ بس وہ ایک دم بولتے بولتے چپ ہوگئی تھی۔ وقار اٹھ کر دانیال سے ہاتھ ملانے لگا تھا۔ باقی سب بھی اس کے ساتھ ہائے ہیلو کرنے میں مصروف تھے۔ اسے لگا سب دانیال سے زیادہ کن اکھیوں سے اس کا ردعمل دیکھنے پر مصروف تھے۔

دانیال ایک نظر اس پر ڈال کر سامنے رکھے صوفے

پر بیٹھ گیا تھا۔ اپنے بالکل سامنے بیٹھے اس شخص کو وہ اب زندگی بھر دوبارہ کبھی بھی اور کسی بھی قیمیت پر دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ سب ہی ماحول میں موجود

اس کشیدگی اور تناؤ کو پوری شدتوں سے محسوس کر رہے تھے اور اسے دور کرنے سے خود کو قاصر بھی پا رہے تھے۔

"واقعی تمہارے گھر میں مور پالے ہوئے ہیں۔"

سجاد بڑی حیرت سے وقار سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے جواب دینے سے پہلے وسیم بول اٹھا تھا۔

"صرف مور۔ ارے اس کے گھر میں تو پورا Zoo ہے۔ پرندوں کی کون سی نایاب قسم ایسی ہے جو اس کے ہاں نہیں اور بھی پتا نہیں کون کون سے جانور ہیں۔ مجھے تو ڈھنگ سے سب کے نام بھی یاد نہیں۔"

"لنچ میں تو ابھی دیر ہے۔۔۔۔۔۔ چلو چل کر دیکھ کر آتے ہیں۔" سب ایک دم کھڑے ہوگئے تھے۔ ان سب کو پرندوں اور موروں میں اچانک جو دلچسپی ہوئی تھی۔۔۔۔ اسے اچھی طرح اس دلچسپی کا پس منظر معلوم تھا۔ ایک طویل سانس لے کر اس نے خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کیا تھا۔ سب ڈرائنگ روم سے نکل گئے تھے۔ صرف آمنے سامنے بیٹھے وہ دو افراد وہاں موجود تھے جو آج پتا نہیں کتنے دنوں بعد روبرو تھے۔

دو تین منٹ یونہی خاموشی کی نذر ہوگئے تھے۔ پھر کچھ سوچ کر وہ اٹھا تھا اور آ کر اس کے برابر والے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"اذما!" کتنی محبت تھی اس پکار میں۔ اس کا دل چاہا۔۔۔۔ وہ چیخ چیخ کر اس سے کہے "تمہیں کوئی حق نہیں اب مجھے یوں پکارنے کا۔ میرا بس چلے تو میں تم سے اپنا نام لینے کا حق بھی چھین لوں۔"

"تم مجھے سے اتنی ناراض ہو اذما کہ میری شکل نہیں دیکھنا چاہتیں۔ میری بات بھی سننا نہیں چاہتیں۔ کیا اب مجھے دوبارہ سے تمہیں یہ یقین دلانا پڑے گا کہ میں نے تم سے محبت کی ہے۔ بہت شدید محبت۔"

وہ اچانک اس کی بات کاٹ کر چلائی تھی۔ "محبت کا میرے سامنے نام مت لینا دانیال! مجھے اس لفظ سے نفرت ہو چکی ہے۔"

اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا مگر وہ اس سے پہلے ہی دوبارہ بولنا شروع ہو گئی تھی۔

"اور میری تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔اب میرے پیچھے آنے کا کیا مقصد؟ شاید اس لیے کہ تمہاری انا ہرٹ ہو رہی ہے کہ میں نے تمہیں ریجیکٹ کر دیا ہے۔"

وہ اس کے کاٹ دار اور طنزیہ انداز کے جواب میں بہت آہستہ سے بولا تھا۔

"تم بات کو غلط طرح سوچ رہی ہو اذما۔ وقتی طور پر میں رباب سے متاثر ہو گیا تھا۔اس بات کو میں مان رہا ہوں۔ مگر میرا اب اس سے کسی بھی طرح کا کوئی واسطہ نہیں۔ میں نے اسے اپنی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باہر نکال دیا ہے۔"

"وقتی طور پر متاثر۔" وہ ان لفظوں پر طنزیہ انداز میں ہنسی تھی۔ "جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا اگر وہ میں نے تمہارے ساتھ کیا ہوتا تو کیا تم مجھے معاف کر دیتے؟ اگر تمہاری ہی طرح میں بھی وقتی طور پر کسی کی چھا جانے والی شخصیت۔۔۔۔ تم سے زیادہ ذہانت اور تم سے زیادہ کانفیڈنس رکھنے کی بنا پر متاثر ہو گئی ہوتی تو کیا تم میری اس وقتی کیفیت کو معاف کر دیتے؟"

وہ سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ خود ہی بولی تھی۔

"تم مجھے کبھی معاف نہیں کرتے دانیال! کوئی مرد اتنا اعلا ظرف نہیں ہوتا کہ ایسی بات معاف کر سکے۔" وہ اس کا تلخ انداز بڑے تحمل سے برداشت کر گیا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا اذما۔ تم یہ کرتیں تو میں کیا کرتا اور میں وہ کرتا تو تم کیا کرتیں۔

میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن تمہیں کسی نہ کسی شخص سے شادی کرنی ہی پڑے گی۔ تمہارے پاس اس شخص کے بارے میں کیا گارنٹی ہو گی کہ وہ تمہیں کبھی دھوکہ نہیں دے گا تمہارے

ہوتے ہوئے کسی اور طرف نہیں دیکھے گا۔ میں نے تو پھر بھی ایسا کچھ نہیں کیا۔اپنی غلطی بھی مان رہا ہوں اور تم سے معذرت کرنے کے لیے بھی تیار ہوں مگر مجھے ٹھکرا کر جسے تم اپناؤ گی اگر اس نے کبھی تمہیں دھوکا دیا۔۔۔۔۔۔ تمہارے ساتھ بددیانتی کی۔۔۔۔۔ تمہارا حق کسی اور کو دیا تب تم کیا کرو گی؟"

وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جبکہ وہ اس پر نظریں جمائے دھیمے سے انداز میں بولا تھا۔

"غلطیاں انسانوں ہی سے ہوتی ہیں اور انہیں معاف بھی میرے اور تمہارے جیسے انسان ہی کرتے ہیں۔ میں ظاہر ہے۔۔۔۔۔ تمہیں کسی بھی بات کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ اگر کسی بھی لمحہ تم اپنے دل میں مجھے معاف کر دینے کا ظرف اور ہمارے رشتہ کے لیے گنجائش پیدا کر پاؤ تو مجھے آواز دینے میں دیر مت کرنا۔ مجھے اپنا منتظر پاؤ گی۔"

وہ بغیر اس کے جواب کا انتظار کیے کھڑا ہو گیا تھا اور پھر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔

"وہ مجھے دھوکا دیتا۔۔۔۔۔۔ میرے ساتھ بے وفائی کرتا تو میں اسے بڑے آرام سے معاف کر دیتی۔اس لیے کہ اس نے میرے ساتھ محبت کا کوئی پیمان نہ باندھا ہوتا۔ وفاداری کا کوئی عہد نہ کیا ہوتا۔ یہ نہ کہا ہوتا کہ ساری دنیا تمہیں دھوکہ دے سکتی ہے مگر میں نہیں۔ مجھے دوسری سب لڑکیوں سے مختلف اور اپنے دل کی سب سے بڑی خوشی نہ قرار دیا ہوا اور میں نے بھی اسے اپنے دل کے سب سے خوب صورت گوشے میں جگہ نہ دی ہوتی۔ پھر سب کچھ کتنا سہل ہوتا۔" وہ بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔

"وہ اپنی غلطی پر بہت شرمندہ ہے اذما! کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ تم اسے معاف کر دو۔اس دنیا میں لوگ بڑے

بڑے گناہ کرتے ہیں اور کبھی اپنے گناہوں پر پشیمان بھی نہیں ہوتے۔وہ تو اپنی غلطی تسلیم کر رہا تھا۔کیا اعلا ظرفی کا تقاضا یہ نہیں کہ اسے معاف کر دیا جائے۔"

واپسی میں اسے گھر ڈراپ کرنے کے لیے جاتا ہوا ارقم بہت دوستانہ اور پر خلوص انداز میں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔وہ اس کی باتوں کے جواب میں بالکل خاموش بیٹھی سوچ رہی تھی۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو ارقم۔تمہاری ہر بات صحیح ہے۔میں نے اس کی آنکھوں میں ندامت دیکھی ہے۔دوبارہ میرے دل تک رسائی حاصل کرنے کی خواہش دیکھی ہے اور آج مجھے اس نیک دل شہزادی کی کہانی کی سب سے اہم بات یاد آگئی ہے۔وہ بات جو اس روز امی سے شکوے کرتے وقت میں بھول گئی تھی۔ہاں اس کی نیک دل شہزادی زندگی میں سب کچھ اچھا ہو گیا تھا مگر اس سب اچھا ہونے سے پہلے اس کی زندگی میں آزمائشیں بھی تو آئی تھیں۔لوگوں نے اسے دکھ بھی دیے تھے۔اسے تکلیفیں بھی پہنچائی تھیں اور جب وقت اس پر مہربان ہوا۔انتقام لینے کی قدرت اور سزا دینے کی طاقت رکھنے کے باوجود اس نے سب کو معاف کر دیا تھا۔میں نے صرف یہ بات یاد رکھی کہ وہ بہت اچھی تھی اسی لیے اس کے ساتھ سب اچھا ہی ہوا اور وہ شہزادے کے ساتھ اپنے حسین محل میں خوش و خرم رہنے لگی اور جو سب سے اہم بات تھی۔۔۔۔وہ میں بھول گئی۔اس نے سب کو معاف کر دیا تھا۔

لیکن کیا سب کچھ بھلا بھی دیا تھا؟

ذرا ٹھہر جاؤ ارقم! مجھے تھوڑا سا وقت دو۔اتنا وقت کہ میں بھی اتنی ہی اچھی بن سکوں۔اتنی اچھی کہ معاف کر دینے کے ساتھ ساتھ سب کچھ بھول جانے پر بھی قادر ہو سکوں۔"

اس کے لبوں پر پھیلتی ہوئی مدھم سی مسکراہٹ اس بات کا ثبوت تھی کہ وقت زیادہ دور نہیں ہے۔

****

ختم شد!!!!!!!!!!!!